

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے محبوب کریم رؤوف رحیم ﷺ کو وہ عظیم الشان کلام عطا فرمایا جو ہمیشہ لوگوں کی رہنمائی فرماتا رہے گا۔ قرآن کریم فرقانِ حمید حبیبِ کبریا ﷺ کا وہ عظیم الشان معجزہ ہے جو علم و عرفان کا آفتاب جہاں تاب ہے۔ اسی کلام کی تاثیر نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قلبِ انور پر وہ اثر کیا کہ انہوں نے ہمیشہ کیلئے حضور ﷺ کی غلامی اختیار کر لی۔ یہی وہ بلند رتبہ عالی کلام ہے جس نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو دو جہاں کے سردار ﷺ کے قدموں سے ہمیشہ کیلئے وابستہ کر دیا۔

رحمن و رحیم پروردگار عز و جل نے اپنے بندوں کی رہنمائی اور ان کی حقیقی فلاح و کامرانی کیلئے محبوب کریم ﷺ کے قلبِ منیر پر وہ بلند رتبہ مبارک کلام نازل فرمایا جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نور دونوں یکجا ہیں۔

فاران کی وادیوں سے قرآن کا چشمہ فیض کیا پھوٹا کہ اس سے علوم و فنون کے دریا بہہ نکلے اور نہ جانے کیسے کیسے بے نام و نشان قرآن کریم کے فیض سے لوگوں کے امام و پیشوا بن کر ابھرے۔ جب لبوں پر ان مقدس ہستیوں کا نام مبارک آتا ہے تو بلا اختیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور رحمۃ اللہ علیہم زبان سے صادر ہوتا ہے۔

الغرض..... جن لوگوں کے قلوب میں قرآن کریم کی تاثیر کا تیر فضل الہی عز و جل اور نگاہِ مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے پیوست ہو گیا، یقیناً وہ کامیاب ہو گئے..... رفعتوں اور بلند یوں کو پا گئے..... دنیا میں آنے کا مقصد پورا کر گئے اور منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔

عظمت قرآن ب زبان قرآن:

قرآن پاک میں شک کی گنجائش نہیں ۱..... قرآن برہان اور نور ہے ۲..... قرآن شفا ہے ۳..... قرآن عالمین کیلئے نصیحت ہے ۴..... قرآن میں اختلاف نہیں ۵..... قرآن چھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ۶..... قرآن تمام کتابوں پر امین اور حاکم ہے ۷..... قرآن مفصل کتاب ہے ۸..... قرآن مبارک ہے ۹..... قرآن کریم ہے ۱۰..... قرآن پاک میں ہر خشک و تر چیز کا بیان ہے ۱۱.....

﴿ماخوذ از ”عظمت قرآن اور جشن عید میلاد النبی ﷺ“﴾

قرآن پاک نے ہمیشہ غور و فکر کی دعوت پیش کی..... رُجُوعِ اِلَى اللّٰهِ کی ترغیب دلائی لیکن ہر پڑھنے والا اور قرآن پاک میں سطحی نظر کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ کلامِ الہی کی تلاوت کرنے والے تمام ہی افراد مقصد کو پالیں گے۔ نہیں! قطعاً ایسا نہیں!! خود قرآن کریم نے اس کی تردید کی۔ چنانچہ ارشاد ہوا: **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ﴿پارہ 1، سورة البقرة، آیت 26﴾** یعنی ”بہت سے لوگ اس قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں۔“

بلا شک و شبہ وہ قوم تباہی و گمراہی کے عمیق گڑھے میں گرتی چلی جاتی ہے جو قرآن کریم پر سطحی نظر کرتے ہوئے ایک رائے قائم کر لیتی ہے۔ اس جرمِ عظیم سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ وہ بعض آیات کو معیار بناتے ہوئے دوسری آیات سے صرف نظر کر لیتی ہے اور

شیطان لعین مکار و عیار اپنے مکر کا داؤ اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ گمراہ قوم کو گمراہی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ **الامان! الامان!**

۱۔ البقرة- ۲ ۲۔ النساء- ۷۴، الشعراء- ۵۲ ۳۔ یونس- ۵۷، بنی اسرائیل- ۸۲

۴۔ الانعام- ۹۱، اعراف- ۹ ۵۔ النساء- ۸۲ ۶۔ فاطر- ۳۱ ۷۔ المائدة- ۴۸

۸۔ الانعام- ۱۴ ۹۔ الانبیاء- ۵۰ ۱۰۔ الواقعة- ۷۷ ۱۱۔ الانعام- ۶۰

چنانچہ ایسا ہی ایک گروہ گزرا، جس نے قرآن کریم کی ایک آیت پر نظر کرتے ہوئے دوسری آیت کا انکار کر دیا یعنی اس کی حقیقت سے نا آشنا رہے۔ اس گروہ کے تفصیلی حالات بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور دیگر کتب احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔ علامہ امام **عبد الرحمن**

ابن جوزی البغدادی علیہ الرحمۃ ﴿سن وصال 597ھ﴾ نے اس گروہ کے حالات پر ایک عنوان قائم کیا ”ذکر تلبیس ابلیس علی

الخوارج“ ﴿خارجیوں پر شیطانی مکر کا بیان﴾ آپ علیہ الرحمۃ نے خوارج کے حالات احادیث طیبہ کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔

چنانچہ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانے میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرنے کیلئے حکم (فیصلہ کرنے والے) مقرر کئے گئے یعنی کہا گیا کہ انکا فیصلہ ہمیں منظور ہوگا تا کہ مسلمانوں کا آپس میں معاملہ طے ہو جائے اور مزید نقصان نہ ہو چنانچہ حضرت علیؑ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو حکم مقرر فرمایا۔ خارجیوں نے حضرت علیؑ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپؑ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم مان کر قرآن مجید کے اصول کے خلاف کیا کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ (حکم صرف اللہ کا ہے یعنی فیصلہ کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے) لہذا آپ مشرک یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور اب آپ ہمیں بھی شرک کی دعوت دے رہے ہیں۔ معاذ اللہ!!

حضرت علیؑ سے اجازت لیکر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس گروہ کو نصیحت فرمانے کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمْ نِصْفَ النَّهَارِ فَدَخَلْتُ عَلَى قَوْمٍ لَمْ

أَرْقُطُ أَشَدَّ مِنْهُمْ اجْتِهَادًا : جِبَاهُهُمْ قُرْحَةٌ مِنَ السُّجُودِ

ترجمہ: ”میں وہاں دوپہر کے وقت پہنچا۔ میں نے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن سے بڑھ کر عبادت میں کوشش کرنے والی قوم نہ دیکھی تھی۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے۔“

چنانچہ اس گروہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا استقبال کیا اور کہا:

”مَرْحَبًا بِابْنِ عَبَّاسٍ مَّاجَاءَ بِكَ فَقُلْتُ آتَيْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَمِنْ عِنْدِ صَهْرٍ

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِمْ نُزْلُ الْقُرْآنِ وَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ مِنْكُمْ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ لَا تَخَاصُمُوا

قَرِيشًا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ ”بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ“ ﴿سورة الزخرف: آیت 58﴾

ترجمہ: ”مرحبا (خوش آمدید) اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما! آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا میں تمہارے پاس مہاجرین و انصار اور رسول اللہ ﷺ کے صہر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے پاس سے آیا ہوں۔ انہی لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ لوگ قرآن کے معنی تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ میری گفتگو سن کر ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ (یہ آدمی قبیلہ قریش سے ہے) تم قریش (کے کسی فرد سے) مناظرہ مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے بارے میں فرمایا:

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿سورة الزخرف، آیت 58﴾

ترجمہ: ”بلکہ وہ ہیں جھگڑالوگ۔“

استغفر اللہ عزوجل! قرآن پاک کی آیت سے دلیل پیش کر کے صحابی رسول ﷺ کی تنقیص کتنی بڑی بے ادبی ہے جب کہ یہ آیت ان قریشیوں کے بارے میں ہے جنہوں نے توحید کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ بہر حال..... اس گروہ کے لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے گفتگو کرنے کیلئے تیار ہو گئے، جس کا مختصر ترین خلاصہ یہ ہے:

کم علمی اور ضد کا وبال:

خارجی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم (فیصلہ کرنیوالا) بنایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الحكم الا لله حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: شوہر اور بیوی کے جھگڑے کے تصفیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ﴿سورة النساء، آیت 35﴾

یعنی: ”شوہر اور بیوی کے تنازع کو حل کرنے کیلئے ایک حکم (فیصلہ کرنے والا) بیوی کی طرف سے مقرر کیا جائے اور دوسرا

حکم شوہر کی طرف سے مقرر کیا جائے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حکم مقرر کیا تھا جبکہ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو حکم بنانے کا حکم دے رہا ہے تو کیا قرآن مجید شرک کی دعوت دے رہا ہے؟ بلکہ بات صرف یہ ہے کہ حقیقی حکم (فیصلہ کرنے والا) تو صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی حکم (حاکم، فیصلہ کرنے والے) مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دو ہزار خارجی توبہ کر کے ایمان والوں میں واپس آئے جبکہ ان کی

اکثریت اپنی ضد پر قائم رہی۔ جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے، وہی ہدایت پاسکتا ہے۔ ارشاد بانی ہے:

وما توفیقی الا باللہ ﴿سورة هود، آیت 88﴾

یعنی: ”توفیق تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے“

حقیقت یہ ہے کہ شرک اس وقت لازم آتا جب حضرت علیؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ویسا ہی حکم مان لیتے جیسا اللہ عزوجل کو مانتے ہیں۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریم تو موحدین کے سردار ہیں۔ خارجی کتنے نادان اور بے وقوف ہیں کہ جن کے در سے کائنات تو حید کا درس لیتی ہے، خارجی انھیں تو حید سے خارج قرار دے رہے ہیں!

استغفر اللہ عزوجل !!۔۔۔ بلا شک و شبہ یہ ایک بدیہی بات ہے جو ہر ایک فہم و شعور رکھنے والا سمجھتا ہے کہ یقیناً یہ کلمہ حق و سچ ہے کہ ”حاکم حقیقی تو صرف اللہ عزوجل ہی ہے“ لیکن یہ درست نہیں کہ سچ بات کے ذریعے غلط پر چار کیا جائے۔ اسی سوچ کو حضرت علیؓ نے ”کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ“ قرار دیا یعنی ”انہوں نے کلمہ حق پڑھا مگر مراد باطل لی“ اسی طرح کی دیگر مثالوں سے آگاہی انتہائی ضروری ہے تاکہ شیطان کامیاب نہ ہو اور ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

مثال نمبر 1: **قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ** ﴿سورة التوبة، آیت 129﴾

ترجمہ: ”فرما دیجئے، میرے لئے اللہ کافی ہے“

یقیناً مسلمان ”قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ“ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“ ﴿سورة الانفال، آیت 64﴾ پر بھی ایمان رکھتے ہیں جس میں فرمایا گیا ”اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور اتباع کرنے والے مؤمنین“۔ اس آیت میں اللہ عزوجل کے کافی ہونے کے ساتھ نیک لوگوں کے کافی ہونے کا بھی ذکر ہے۔ ”قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ“ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو کافی قرار دیتے ہوئے حضور ﷺ کو (معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ) بے اختیار قرار دینا اور آپ ﷺ کی محبت سے لوگوں کو دور کرنا امتی کو زیب نہیں دیتا کیونکہ اس سے کئی آیات اور احادیث طیبہ کا انکار لازم آتا ہے۔ ﴿تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ عزوجل﴾

مثال نمبر 2: **”اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور**

غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین ہونا چاہیے“

یقیناً بلا شک و شبہ تمام کام بنانے والی ذات اللہ عزوجل کی ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا لیکن اس کلام کے ذریعے دو جہاں کے سردار ﷺ کو بے اختیار ثابت کرنا اور یہ تصور دینا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں اور نہ کچھ دے سکتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ کہاں کی دانائی ہے۔ اس کلام کے ذریعے اللہ عزوجل کے پیاروں کی الفت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کی کوشش کرنا خارجیوں کی روش پر چلنا اور محبوب کبریاء ﷺ کو بے اختیار ثابت کرنے کی سعی مذموم کرنا ہے۔ ﴿مَعَاذَ اللَّهِ﴾ اگر حضور پر نور ﷺ سے کچھ نہ ہونے کا یقین کر لیں ﴿نَعُوذُ بِاللَّهِ﴾ تو پھر قیامت کے دن کیا منہ دکھائیں گے۔ بخاری و مسلم کتاب الایمان میں تفصیلاً ذکر کیا گیا کہ اہل محشر حیران و پریشان دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر نجات کیلئے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے حضور حاضر ہونگے۔ اس

موقع پر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فرمائیں گے **اِئْتُوا مُحَمَّدًا** (حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشکل سے نجات کیلئے اہل محشر کو حضور ﷺ کی طرف روانہ فرما رہے ہیں گویا عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ عزوجل محبوب ﷺ سے کچھ ہونے کا یقین دلایا اور محبوب ﷺ نے اہل محشر کی اس مشکل میں مدد فرمائی اور ارشاد فرمایا **اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا** یعنی شفاعت (کبریٰ) کیلئے میں ہی ہوں لہذا معلوم یہ ہوا کہ اللہ عزوجل کے حکم و اختیار، قدرت اور طاقت کی بدولت حضور پر نور ﷺ سے سب کچھ ہونے کا یقین رکھنے والے ہی نجات پائیں گے۔

نوٹ: یہاں انہی دو مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مزید ایک اور مثال آخر میں بیان کی جائے گی۔ **(انشاء اللہ عزوجل)**

حاکم و مددگار اللہ تعالیٰ ہے:

بلاشبک و شبہ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کو اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے۔ جس طرح صحابی رسول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صحابہ کو مشرک قرار دینے والے گروہ کو سمجھایا کہ حاکم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن پروردگار نے ہی حاکم مقرر فرمائے ہیں۔ ﴿کتنا پیارا انداز ہے! جو دل و دماغ کو روشن کرنے والا اور حقیقی توحید کو واضح کرنے والا ہے لیکن آہ!! اس کے باوجود کئی ہزار خارجی اپنی ضد پر قائم رہے۔ دراصل شیطان نے ان لوگوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح رچ بس گئی ہے کہ تم ہی مؤجد اور مسلمان ہو، باقی تمام مشرکین ہیں﴾ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بتائے ہوئے تحقیقی انداز کی برکت سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ حقیقی مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کی عطا سے انبیاء و صالحین بھی مددگار ہیں۔ ﴿اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اس کے تفصیلی دلائل آگے ذکر کئے جائیں گے﴾

قرب الہی یا بعد الہی:

شیطان مردود نے خارجیوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا اور یہ اپنے زعم فاسد میں سمجھے کہ ہم پر توحید، محبت و قرب الہی کا غلبہ ہو چکا ہے۔ نادان یہ نہ سمجھ سکے کہ کسی عام مسلمان کو مشرک کہنا قرب الہی نہیں بلکہ بُعد الہی کا ذریعہ ہے۔ چہ جائیکہ قطعی جنتی صحابہ پر ایسا سنگین الزام لگایا جائے ﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ﴾ یقیناً جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔ وہ شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے۔ خوارج بری طرح شیطان کے جال میں گرفتار ہو چکے تھے۔

خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب مشرک ٹھہرایا اور اپنے آپ کو توحیدی قرار دیا تو انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم کس پر جرم عظیم (شرک) کا الزام لگا رہے ہیں۔۔۔۔ جن کے بارے میں مخبر صادق ﷺ جنت کی بشارت دے چکے ہیں اور مشرک کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

شرک وہ ناقابل معافی جرم ہے جو کسی حال اور کیفیت میں جائز نہیں، نہ تو کوئی رب العالمین کے برابر ہو سکتا ہے نہ ہی اس جیسی صفات کسی میں پائی جاسکتی ہیں۔۔۔۔ خالق کائنات کے حکم سے نظام ہستی قائم ہے۔۔۔۔ یہی وہ ذاتِ پالنے والا ہے جو ماں کے پیٹ میں

بن مانگے روزی عطا کرتی ہے۔۔۔ سجدہ صرف اور صرف رب العالمین عزوجل کی ذات کے لئے خاص ہے۔

عین ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ جب شرک ایسا نافابل معافی جرم ہے جو کسی دور میں جائز نہیں، کائنات کی تخلیق سے قبل بھی ممنوع تھا اور اب بھی نافابل قبول ہے بلکہ ہمیشہ کیلئے حرام ہے، اس کے باوجود فرشتوں کو آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا اور جلیل القدر پیغمبر حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے

حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیوں کیا؟ ﴿سورۃ یوسف آیت 100﴾

اس ابھرنے والے سوال کے جواب سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی تعریف پر غور کر لیا جائے کیونکہ بسا اوقات اصل شے کی تعریف سے ناواقفیت ذہنوں کو الجھا دیتی ہے اور انسان لاعلمی کے مہلک ترین مرض میں مبتلا ہو کر منفی سوچ کو ہمیشہ کیلئے دل کے راستے سے ذہن میں قائم کر لیتا ہے۔

بعض نمازی رکوع میں تو کچھ سجدے میں:

شیطان ہمیشہ اصل حقیقت سے لوگوں کو دور رکھتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے مقصد کو دینی رنگ دے کر کامیاب ہو سکے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو بیان کیا۔ اس کو تحریر کرنے کا مقصد اس بات کی نشاندہی کرنا ہے کہ صحیح تعریف سے دوری کیا رنگ لاتی ہے چنانچہ رمضان المبارک کے برکتوں والے مہینے میں وہ صاحب کسی مسجد میں نماز تراویح کیلئے تشریف لے گئے۔ دورانِ تراویح امام نے آیت سجدہ تلاوت کی اور لوگوں کو پہلے سے مطلع نہ کیا تھا کہ پہلی یا دوسری رکعت میں سجدہ تلاوت ہوگا۔ اب معاملہ یہ پیش آیا کہ امام اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا گیا اور بعض مقتدی رکوع میں۔ جب امام نے سجدہ کے بعد اللہ اکبر کہا تو پیچھے مقتدی حیران و پریشان کھڑے کھڑے سلام پھیر رہے تھے اور عجیب و غریب معاملات پیش آئے۔

اب اصل بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب امام کو کہا گیا کہ آپ نے پہلے سے اعلان کیوں نہیں کیا کہ سجدہ تلاوت ادا کیا جائے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ سجدہ تلاوت کا اعلان ”بدعت“ ہے۔ حضور اکرم ﷺ و صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی نے اعلان نہیں کیا۔۔۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی اعلان نہیں ہوتا لہذا اس نے اللہ عزوجل کے حضور سجدے کا اعلان کرنا بدعت قرار دیا۔

گویا کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ جو کام حضور ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہیں کیا، وہ کام میں کیسے کر سکتا ہوں۔ کیا میرے دل میں امت کی خیر خواہی کا جذبہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بڑھ کر ہے کہ وہ تو اعلان نہ کریں اور میں بدعت کے گناہِ عظیم میں مبتلا ہو کر جہنم کا راستہ اختیار کر لوں کیونکہ بدعت تو جہنم تک لے جاتی ہے۔

یقیناً ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت سجدے کا اعلان کرتی ہے۔ ”کیا مسلمانوں کی اکثریت بدعتی ہے؟“ اور مزید یہ کہ بعض مقتدی رکوع میں اور کچھ سجدے میں، یہ کون سی سنت ادا ہو رہی ہے۔ خدارا! کچھ غور کریں!! اسلام اتنا تنگ نظر نہیں کہ اس کے ماننے والے خیر کے مرتکب ہوں اور اللہ عزوجل کے حضور سجدہ کا اعلان کریں پھر انہیں بدعتی کہہ کر جہنم کے کنارے پہنچا دیا جائے۔ یاد رکھئے! اسلام کے اصول سے ناواقفیت ہمیں بہت پیچھے کر دے گی۔ اسلام کے اصول و قواعد کا ہمیں علم ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ اگر کوئی غیر مسلم مثلاً انگریز عیسائی اعتراض کر دے تو ہمیں جواب معلوم ہو۔ مثلاً انگریز یہ کہے کہ اے مسلمانو! موجودہ قرآن پاک پر اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش) لگے ہوئے ہیں لہذا ایسے قرآن پاک میں تلاوت درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا قرآن پاک نہ تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پڑھا، نہ ہی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا۔ بخاری، مسلم و ترمذی شریف نہ حضور ﷺ نے پڑھی نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں تھیں! جبکہ تمہارے قرآن پاک میں واضح ارشاد ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

الْإِسْلَامَ دِينًا ﴿سورة المائدة: آیت 3﴾

ترجمہ کنز الایمان: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

اے مسلمانو! تمہارا دین مکمل ہونے کے باوجود تمہارے اضافے ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ مسجد کے مینار و محراب، اذان سے پہلے یا بعد درود و سلام کا رواج صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین کے دور میں نہیں تھا۔ اسی طرح تمہارے بچوں کو چھ کلمے سکھائے جاتے ہیں اور ایمانِ مُجْمَل و مُفَصَّل یاد کروائے جاتے ہیں۔ یہ تمام امور اس طور پر حضور ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ ہی کسی حدیث کی کتاب میں اس طور پر وارد ہوئے ہیں اور اب بالکل نیا کام یہ شروع کیا ہے کہ تراویح کے بعد خلاصہ تراویح بیان کیا جاتا ہے تو کیا حضور ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بڑھ کر قرآن پاک کی محبت تمہارے دلوں میں ہے؟ انگریز عیسائی کے اس اعتراض کا جواب کون دے گا؟۔۔۔ یقیناً اس کا جواب وہی دے سکتا ہے جس نے اسلام کے اصولوں کو جانا اور تنگ نظری کی قید سے آزاد ہوا۔ پیارے بھائیو! ہمیں اپنے دل میں دین اسلام کی خدمت کا جذبہ بیدار کرنا اور اسلام کے اصول و ضوابط کا جاننا انتہائی ضروری ہے تاکہ دین حق کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کا اسلامی اصول کے ذریعے اس طرح مقابلہ کریں کہ اللہ عزوجل کی رضا اور دین متین کی سربلندی کا ذریعہ بن جائیں۔ واضح رہے کہ انگریز عیسائی اور دیگر کافروں نے اسلام کے اصولوں کو سمجھے بغیر اعتراض کر دیا۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ وہ کام اسلام میں ناجائز اور بدعتِ سیئہ ہیں جن کی ممانعت اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ اور شرع نے اس طور پر فرمائی کہ اس کے ثبوت پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی وسعتِ نظری اور اسلامی اصول کی معرفت کی تفصیل جاننے کیلئے احقر کی تالیف ”عظمت قرآن اور جشن عید میلاد النبی ﷺ“ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو۔

ISLAMIC LAW (دین متین کا قانون)

إِنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ ﴿مِرْقَاة جلد 1 صفحہ 263﴾ ۱۔

ترجمہ: بے شک تمام چیزوں میں اصل مباح یعنی جائز ہونا ہے۔
یعنی کسی بھی فعل کے جائز ہونے کیلئے دلیل کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ حرمت وغیرہ کی دلیل کا نہ ہونا (یعنی منع نہ کرنا) ہی اباحت و جائز ہونے کی شرعی دلیل ہے۔ البتہ ناجائز و حرام کے لئے دلیل شرعی لازمی ہے۔

2ND ISLAMIC LAW (دوسرا قانون)

امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمہ اللہ مواہب لدنیہ و مخ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ

ترجمہ: کسی کام کا کرنا تو جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔“ ۲

خلاصہء قانون یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے کسی فعل کا ثابت ہونا، نہی فعل کو مستلزم نہیں یعنی یہ تصور رکھنا کہ جو کام انہوں نے نہ کیا ہو، مسلمان اسے نہیں کر سکتے۔۔۔ ایسا قطعاً اسلام نے تصور نہیں دیا اور اے غیر مسلمو! انگریز عیسائیو! ہمارے آقا ﷺ نے نئے نئے نیکی کے کام کرنے کی نہ صرف اجازت عطا فرمائی بلکہ نئے کام کرنے کی اس حسین انداز میں ترغیب دلائی کہ ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ

مِثْلَ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْءٌ

صحیح مسلم شریف، کتاب العلم، رقم الحديث: ۴۸۳۰ ﴿۳﴾

یعنی ”جو کوئی شخص اچھا نیا طریقہ اسلام میں نکالے اور لوگ اس پر عمل کریں تو اسے اس کا برابر اجر دیا جائے گا اور لوگوں کے عمل میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

۱۔ یہی مفہوم مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی ہے۔ (1) تفسیر کبیر، جلد 4 صفحہ 201 (2) تفسیر بیضاوی (3) تفسیر احمدی صفحہ 13 للملا جیون (4) رد المحتار (5) مسلم الثبوت صفحہ 21 للعلامہ محبت اللہ بہاری (6) فواتح الرحموت صفحہ 56 للعلامہ عبدالحی بہر العلوم (7) مشکوٰۃ صفحہ 32 (8) مشکوٰۃ صفحہ 362 (9) اشعۃ الملتعات جلد 3 صفحہ 479
۲۔ فتاویٰ رضویہ (ج ۷ ص ۵۸۳ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

۳۔ یہی مفہوم مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہے۔ مسلم (کتاب الزکوٰۃ رقم الحدیث ۱۶۹۱)، ترمذی (کتاب العلم ۲۵۹۹)، نسائی (کتاب الزکوٰۃ ۲۵۰۷)، ابن ماجہ (کتاب المقدمہ ۱۹۹)، مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (اول مسند الکوفیین ۱۸۳۶، ۱۸۳۸، ۱۸۳۸، ۱۸۳۸)، دارمی (کتاب المقدمہ ۵۱۱، ۵۱۳)

شیطان کے لئے دشوار نہیں کہ وسوسوں کا شکار کر دے کہ انگریز کو کیا ضرورت ہے کہ مسلمانوں پر اعتراض قائم کریں یا عیسائیت کی تبلیغ کریں۔

افسوس! مسلمان غفلت کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں عیسائی مشنریز اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ان کے تفصیلی احوال یہاں ذکر نہیں کئے جاتے۔ لیکن عبرت اور نصیحت کے لئے چند معلوماتی واقعات پیش خدمت ہیں۔

سندھی انگریز:

ہمارے عزیز کچھ عرصے قبل ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران ایک شخص کی سندھی میں گفتگو نے انہیں حیران کر دیا۔ کیونکہ شکل و صورت سے انگریز معلوم ہوتا تھا لیکن شلوار قمیص اور سندھی گفتگو نے پریشان کیا ہوا تھا۔ بہر حال معمرہ حل ہوا۔ واقعی یہ انگریز ہی تھا جس نے مستقل طور پر اندرون سندھ کو اپنا مسکن بنایا ہوا ہے۔ پہلے پاکستان آ کر اردو سیکھی، بعد میں ڈیڑھ سال کے عرصے میں سندھی زبان پر عبور حاصل کیا۔ پاکستان آنے کے بعد وطن لوٹ کر نہیں گیا۔ تقریباً چھ ماہ یا ایک سال کے بعد اس کی فیملی (Family) اس سے ملنے اسلام آباد کے مخصوص مقام پر آتی ہے جہاں وہ پندرہ دن یا ایک ماہ تک قیام کرتی ہے اور اس نے بتایا کہ اب تک میں کئی مسلمانوں کو عیسائی بنا چکا ہوں۔ (اَنَا لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ)

عیسائیوں کا چیلنج:

کچھ عرصہ قبل پنجاب کے ایک شہر سے اشتہار شائع ہوا جس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے کی دعوت پیش کی۔ آخر کیوں؟؟ آہ! صد آہ!! اس عیسائی نے مسلمان کہلانے والوں کی وہ تحریریں جو اپنے نبی علیہ السلام سے متعلق نازیبا کلمات پر مبنی تھیں باحوالہ پیش کیں جو بد قسمتی سے آج مسلمانوں میں عام ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اس طرح لکھا کہ تمہارا قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل و مراتب کس حسین انداز میں پیش کر رہا ہے چنانچہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (بإذن اللہ) علم غیب، حاجت روائی، اور مشکل کشائی کا ذکر قرآن پاک (سورہ آل عمران، آیت 49) سے کیا۔ الامان والحفیظ

ایسے خاصہ، خاصانِ رسل وقت دعا ہے

امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب

اب معترض اس دین پہ ہر ہر زہ سرا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت

شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلہ ہے

غلط تراجم کا وبال :

ہندو پنڈت نے کتاب لکھی اور قرآن پاک کے غلط تراجم کے حوالے دے کر اعتراض کیا کہ مسلمان ایسے کو خدا مانتے ہیں جو ﴿نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ﴾ ہنسی، دل لگی، ٹھٹھا، مسخری، مذاق دھوکا اور فریب کرتا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے قرآن پاک کے غلط تراجم کئے اور آج مسلمانوں میں وہ غلط تراجم انگریزوں کی سازش سے عام ہو چکے ہیں۔ دیکھئے! سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 15، سورۃ آل عمران، آیت نمبر 54، سورۃ النساء، آیت نمبر 142 اے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ

خود آج وہ مہمان سرائے فقراء ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت

سچ ہے کہ برے کام کا انجام برا ہے

کر حق (عزوجل) سے دعاء امت مرحوم کے حق میں

خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے

قرآن پاک کا ترجمہ ضرور پڑھیں مگر اپنے آپ کو غلط تراجم سے بچائیں لہذا تلاوت کرنے سے پہلے مندرجہ بالا آیات کو دیکھ لیں کہ کہیں رب العلمین عزوجل کے بارے میں فریب، دھوکہ، ہنسی، چال، ٹھٹھا، مذاق اور دل لگی جیسے بیہودہ الفاظ تو استعمال نہیں کئے گئے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کا ترجمہ **قرآن بنام ”کنز الایمان“** ان تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے لہذا اس ترجمے کو پڑھنے کا معمول بنائیں۔

کفار اسلام کے دشمن ہیں۔ وہ مسلمانوں پر اعتراضات کرتے ہیں تاکہ مسلمان تذبذب کا شکار ہو کر راہ حق سے بھٹک جائیں۔ کئی عرب ممالک میں عیسائی اور یہودی عربی زبان سیکھنے میں مصروف ہیں اور ان کا مقصد بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے باطل دین کی طرف مائل کرنا اور قلب مومن کو تعظیم مصطفیٰ ﷺ سے خالی کرنا ہے۔

پیارے بھائیو! گفتگو اس موضوع پر جاری تھی کہ بسا اوقات صحیح تعریف و اقسام کا نہ جاننا، خطائے عظیم کا سبب بنتا ہے جس طرح مذکورہ مثال میں امام مسجد کا واقعہ ہے جس نے سجدہ تلاوت کے اعلان کو بدعت کہا حالانکہ سجدے کا اعلان قرآن پاک کے اس ارشاد پر مبنی ہے۔

۱۔ حال ہی میں بعض تراجم ناشرین (publishers) نے مترجمین کے انتقال کے بعد درست کر دیئے ہیں لیکن افسوس! جن کے پاس پرانے ترجمے موجود ہیں۔ ان کا کیا حال ہوگا؟

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴿سورة المائدة، آیت نمبر 2﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو“

ان تمہیدی واقعات کے بعد اصل اعتراض (کہ شرک ہر حال میں ممنوع اور ناجائز ہے اس کے باوجود فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیوں کیا؟) کے جواب کو سمجھنے کے لئے شرک کی تعریف اور حقیقت پر غور کرتے ہیں

شرک کی تعریف اور اقسام:

”الْإِشْرَاكُ هُوَ الْإِتْبَاطُ الشَّرِيكِ فِي الْأُلُوهِيَّةِ،

بِمَعْنَى وُجُوبِ الْوُجُودِ كَمَا لِلْمَجُوسِ أَوْ بِمَعْنَى

اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعِبَادَةِ الْأَصْنَامِ“

یعنی: ”کسی کو شریک ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ مجوسیوں کی طرح کسی کو الہ (خدا) اور واجب الوجود سمجھا جائے یا بت پرستوں کی طرح کسی کو عبادت کے لائق سمجھا جائے“

نوٹ: واضح رہے کہ یہ تعریف علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ کی اس معتمد علیہ مشہور زمانہ تصنیف ”شرح عقائد نسفی“ سے لی گئی ہے جو درس نظامی (عالم کورس) میں شامل ہے۔

اس عبارت کی شرح میں سیدی عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ شرح نبراس کے صفحہ 265 پر فرماتے ہیں:

”فَانَّهُمْ يَعْتَقِدُونَ الْهَيْنَ يَزْدَانِ خَالِقَ الْخَيْرِ أَهْرَمَنْ خَالِقِ الشَّرِّ“

ترجمہ: ”مجوسیوں کا اعتقاد تھا کہ دو خدا ہیں ایک یزدان جو خیر کا خالق ہے اور ایک اہرمن جو شر کا خالق ہے“

ہم نے شرک کی تعریف کی مدد سے جان لیا کہ دو خداؤں کا ماننے والا مشرک ہوگا جیسے مجوسی (آگ پرست) اسی طرح کسی کو خدا کے سوا عبادت کے لائق سمجھنے والا مشرک ہوگا جیسے بت پرست جو بتوں کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں۔

واجب الوجود اور مستحق عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جب تک کسی کو رب کے برابر یا مستحق عبادت نہ مانا جائے، تب تک شرک نہ ہوگا اسی لئے قیامت میں کفار اپنے بتوں سے کہیں گے:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ اِذْ نُسَوِّبُكُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿سورة الشعراء آیت 97,98﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”خدا کی قسم! بے شک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب کہ تمہیں رب العلمین کے برابر ٹھہراتے تھے“۔

شرک کی اقسام: شرک کی تین قسمیں ہیں:

1: شرک فی العبادۃ 2: شرک فی الذات 3: شرک فی الصفات

شُرک فی العبادۃ:

شُرک فی العبادۃ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔ رب العلمین عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (پارہ 15، سورہ بنی اسرائیل، آیت 23)

ترجمہ: ”اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو“

شُرک فی الذات:

شُرک فی الذات یہ ہے کہ کسی ذات کو اللہ تعالیٰ جیسا تسلیم کیا جائے جیسا کہ مجوسی دُخداؤں کو مانتے تھے۔

شُرک فی الصفات:

کسی ذات و شخصیت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ جیسی صفات ماننا شُرک فی الصفات کہلاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ جیسی صفات کسی نبی ﷺ میں مانی جائیں یا کسی ولی علیہ الرحمۃ میں تسلیم کی جائیں، کسی زندہ میں مانی جائیں یا فوت شدہ میں، کسی قریب والے میں تسلیم کی جائیں یا دور والے میں شُرک ہر صورت میں شُرک ہی رہے گا جو ناقابل معافی جرم اور ظلم عظیم ہے۔

شُرک کی مذمت:

☆ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (پارہ 21، سورہ لقمان، آیت 13)

ترجمہ، کنز الایمان: ”بے شک شُرک بڑا ظلم ہے“

☆ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

﴿پارہ 5، سورہ النساء، آیت 48 اور 116﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شُرک (وکفر) کیا جائے اور شُرک (وکفر) کے علاوہ جو کچھ ہے

جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔“

☆ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿سورۃ النساء: 116﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا“

☆ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿سورۃ النساء: 48﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا“

بلاشک وشبہ مشرک ظلم عظیم کا مرتکب، محروم المغفرت، صریح گمراہ ہمیشہ جہنم میں سڑنے والا بد بخت، نامراد اور یقیناً دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ آج ختمِ قادریہ کی برکت سے شرک فی الصفات کو قرآن پاک کے اصولوں کے عین مطابق سمجھیں گے اور شیطان کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے کیونکہ اکثر اوقات شیطان لعین شرک فی الصفات سمجھنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ شیطان نے یہ اصول مرتب کیا کہ لفظوں کا ایک ہونا شرک کہلاتا ہے۔ شیطان کا مذکورہ اصول ہر قرآن پڑھنے والے کو دائرۃ اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہے کیونکہ قرآن پاک میں کئی مثالیں ایسی ہیں جن میں اللہ عزوجل اور اس کے محبوبین کے درمیان لفظاً برابری پائی جائے آئیے اس مردود اور لعین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہوئے نورِ قرآن پاک سے متمتع ہوتے ہوئے چند قرآنی مثالوں کے ذریعے ہمیشہ کے لئے اپنے ایمان کو فضل الہی عزوجل سے محفوظ کر لیتے ہیں۔

پہلی مثال: قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ان الله بالناس لرؤوف رحيم ﴿سورة البقرة، آیت 143﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر رؤوف اور رحیم ہے“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

مِ الْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿پارہ 10، سورة التوبه، آیت 128﴾

ترجمہ: ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں (بھاری) ہے، تمہاری بھلائی

کے نہایت چاہنے والے، مومنوں پر ”رؤوف اور رحیم“ ہیں“

پہلی قرآنی مثال پر غور کریں! سوال پیدا ہوتا ہے کہ رؤوف اور رحیم اللہ کی صفات ہیں۔ کیا ہم قرآن پاک کے حکم کے مطابق حضور پر نور ﷺ کے لئے رؤوف اور رحیم صفت ثابت کریں تو کیا شرک ہوگا؟

دوسری مثال: قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ﴿پارہ 20، سورة النمل، آیت 65﴾

ترجمہ: ”تم فرماؤ اللہ کے سوا غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿پارہ 29، سورة الجن، آیت 26، 27﴾

یعنی ”غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر صرف اپنے پسندیدہ رسولوں ہی کو آگاہ فرماتا ہے۔ ہر کسی کو (یہ علم) نہیں دیتا“

دوسری مثال پر نظر فرمائیں کہ ”علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر کوئی قرآن پاک کی روشنی میں رسولوں کے لئے علم غیب کو مانے تو کیا یہ بھی شرک ہوگا؟“

تیسری مثال: قرآن پاک میں ہے۔

﴿پارہ 6، سورة المائدة، آیت 54﴾ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

ترجمہ: ”اور اللہ وسعت والا علم والا ہے“

دوسری جگہ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ (جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی ہیں ان) کیلئے علم کی صفت کو ثابت کیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿پارہ 19، سورة النمل، آیت 40﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ

ترجمہ: ”(حضرت آصف نے) کہا جن کے پاس کتاب کا علم تھا۔“

تیسری مثال دیکھیں کہ ”علم“ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر کوئی مذکورہ قرآنی آیت کے تحت ولی کامل حضرت آصف بن برخیا کو علم والا کہے تو کیا ایسا کہنے والا جرمِ عظیم یعنی شرک کے وبال میں مبتلا کہلائے گا؟

چوتھی مثال: قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿پارہ 11، سورة يونس، آیت 65﴾ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا

ترجمہ، کنز الایمان: ”بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

ترجمہ، کنز الایمان: ”اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں ہی کیلئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں“

غور کیجیے! پہلے فرمایا گیا کہ ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے پھر دوسرے مقام میں ارشاد ہوا کہ عزت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور رسول ﷺ اور مومنوں کے لئے بھی ہے۔ یہاں بھی الفاظ ایک ہی ہیں۔ قرآن مجید کی روشنی میں اللہ عزوجل کے پیاروں کو عزت والا کہیں تو کیا شرک لازم آئے گا؟۔۔؟

پانچویں مثال: قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿پارہ 26، سورة محمد ﷺ، آیت 11﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ترجمہ: ”یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا مددگار اللہ ہے“

دوسرے مقام میں ارشاد ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿پارہ 28، سورۃ التحریم، آیت 4﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مومنین مددگار ہیں“

پانچویں مثال پر غور فرمائیں یقیناً مددگار، مشکل کشا اور حاجت روا اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن پاک کی روشنی میں صالح مومنین کو مددگار ثابت کریں تو کیا شرک ہوگا؟

فیضانِ اصولِ قرآن:

مذکورہ آیات کی روشنی میں ایک اصول و ضابطہ مرتب ہوا کہ ”محض الفاظ و تلفظ کی یکسانیت شرک“

کو لازم نہیں کرتی۔“

یہ امر انتہائی واضح ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں ویسی ہی کسی کے لئے مان لی جائیں تو شرک فی الصفات لازم آئے گا۔ حضور ﷺ رؤف اور رحیم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام علم غیب جانتے ہیں لیکن باذن اللہ۔۔۔۔۔ حضرت آصف بن برخیا علم والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت سے۔۔۔۔۔ مومنین عزت والے ہیں لیکن باذن اللہ۔۔۔۔۔ اور اسی طرح صالح مومنین مددگار ہیں لیکن باذن اللہ۔ قرآن پاک کے نور سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین کی خوبیوں اور اوصاف جمیلہ میں باذن اللہ اور عطائی کے معنی کئے جاتے ہیں اگرچہ بظاہر باذن اللہ اور عطائی مذکور نہ ہو۔ مثلاً قرآن پاک میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا ﴿پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت 55﴾

ترجمہ: ”اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں“

اس آیت مبارک میں اللہ کے رسول ﷺ اور مومنوں کو مددگار قرار دیا گیا، گو کہ باذن اللہ اور عطائی مذکور نہیں لیکن مراد یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور مومنین مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے۔

ان آیات کے تحت معلوم ہوا کہ صحابہ علیہم الرضوان کا براہِ راست رسول اللہ ﷺ کو مدد کیلئے پکارنا اور مومنین کا حضور غوثِ پاک سے مدد طلب کرنا باذن اللہ کے تحت ہے یعنی المدد یا رسول اللہ کے معنی ہیں ”اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے اذن سے مدد فرمائیے“ واضح رہے کہ یہ مدد طلب کرنا شرک نہیں کیونکہ صالحین اللہ کی عطا سے مدد کرتے ہیں۔

جو ذاتِ باری عزوجل عطا فرما رہی ہے، اس میں اور جس کو عطا کیا جا رہا ہے، ان حضراتِ قدسیہ میں برابری کا تصور محال ہے اور جب برابری ہی نہیں تو شرک کہاں رہا؟ خوب یاد رکھیں! جہاں باذن اللہ اور عطائی کا ذکر آجائے، شرک کا تصور محال اور ناممکن ہو جاتا ہے۔ مذکورہ مثالوں میں باذن اللہ یا عطائی کے معنی نہایت واضح ہیں۔

ہر کام باذن اللہ عین توحید ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴿پارہ 3، سورۃ البقرۃ، آیت الكرسي﴾

ترجمہ: ”کون ہے جو شفاعت کرے بغیر اذن خداوندی کے“

پتہ چلا کہ بغیر اذن کے شفاعت کا اعتقاد شرک ہے اور اذن کے ساتھ عین توحید ہے۔ پس جب یہ عقیدہ آیا کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے یا مدد کر سکتا ہے تو شرک ہے اور جب اذن الہی کا عقیدہ آیا تو شرک ختم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا:

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴿پارہ 3، سورۃ آل عمران، آیت 49﴾

ترجمہ: ”اور میں اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو۔۔۔ اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے“

اب دیکھئے! شفا دینا اور مردے کو زندہ کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لحاظ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کاموں کا دعویٰ کیا لیکن آپ آگے فرماتے ہیں باذن اللہ یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہوں۔ پس جہاں اذن الہی آجائے تو شرک چلا جاتا ہے اور جہاں اذن گیا، توحید بھی گئی۔ یعنی اذن الہی ہونا اور نہ ہونا تو حید اور شرک کا بنیادی نکتہ ہے۔

الوہیت عطائی نہیں ہو سکتی:

اللہ تعالیٰ سب کچھ دے سکتا ہے مگر الوہیت کا دینا ممکن نہیں کیوں کہ یہ مستقل ہے۔۔۔ اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے لیکن مشرکین کا تصور یہ تھا کہ انہوں نے کہا۔۔۔ لات و منات وغیرہ ایسے زاہد و عابد لوگ تھے کہ اللہ نے کہا تمہاری عبادت کمال کو پہنچ گئی اب تم پر یہ عنایت کرتا ہوں کہ تم آزاد ہو۔ میں تم پر کچھ فرض کرتا ہوں اور نہ کوئی پابندی لگاتا ہوں پس اس طرح انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دی۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وصف الوہیت عطا فرمادیا ہے وہ مشرک اور ملحد ہے۔ ﴿ملاحظہ کریں: مقالات غزالی زماں رازی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ﴾

مسلمانوں کا عقیدہ:

مشرکین غیر اللہ کیلئے عطائے الوہیت کے قائل تھے اور مومنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین ﷺ کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں ہیں یعنی سردارِ انبیاء کو خدا تصور نہیں کرتے۔

صفات باری عزوجل اور صفات حبیب باری ﷺ میں فرق:

☆ ۱ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں

جبکہ

☆ حضور ﷺ کی صفات عطائی ہیں

☆ ۲ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم (پہلے اور ہمیشہ سے) ہیں

جبکہ

☆ حضور ﷺ کی صفات حادث (بعد میں) ہیں

☆ ۳ اللہ تعالیٰ کی صفات ابدی ہیں

جبکہ

☆ حضور ﷺ کی صفات غیر ابدی ہیں

☆ ۴ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر مقدور (یعنی کسی کے تابع و زیر اثر نہیں) ہیں

جبکہ

☆ حضور ﷺ کی صفات مقدور (اللہ تعالیٰ کے زیر اثر) ہیں

شرک کی تعریف و اقسام کی وضاحت کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ (معاذ اللہ) فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو واجب الوجود، خدایا مستحق عبادت سمجھتے ہوئے سجدہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ منصبِ عظمیٰ کے پیش نظر سجدہ تعظیمی بجالائے تھے۔ تعظیم اور عبادت میں مابہ الامتیاز (یعنی جو چیز فرق کرنے والی ہے وہ) نیت ہے۔ اس کا مدار صرف ارادہ پر ہے۔ یقیناً ان حضرات قدسیہ کی نیت سجدہ کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو خدا، الہ اور پروردگار سمجھنے کی نہ تھی۔

عاشق رسول ﷺ کی وضاحت:

تعظیم و عبادت میں فرق کا مدار نیت پر موقوف ہے۔ اس ضمن میں حکیم الامت حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی مشہور زمانہ تصنیف ”جاء الحق“ کے واقعہ کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں قرآن پاک کے حکم کے مطابق تعظیم و توقیر بجالایا اور (فقہائے کرام نے جس طریقے کی طرف رہنمائی فرمائی، عین اس کے مطابق) ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کر رہا تھا۔ ایک شرعی (پولیس والا) کہنے لگا ماہذا یہ کیا ہے؟ شرک، شرک، حرام، ممنوع، بدعت۔ اس عاشق رسول ﷺ نے پوچھا لہذا شرک۔ شرک کیوں ہے؟ اس شرعی نے کہا لَآ نَکَ وَ قَفْتُ کَہِیئَۃَ الصَّلَۃِ تو اس طرح کھڑا ہے جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس عاشق رسول ﷺ نے (جو حقیقی طور پر عالم دین تھے) جواب دیا اگر میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو جاؤں جیسا کہ آپ

چاہتے ہیں تو یہ بھی نماز ہی کی صورت ہے کیونکہ مالکی قیام میں ہاتھ نہیں باندھتے۔ ویسے بھی سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنے کے بعد مسلمان دونوں ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اگر میں دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر کھڑا ہو جاؤں، تو شوافع کا طریقہء قیام ہے۔ اب بتائیے جناب! کیا میں اس بارگاہِ عالیشان میں ایک ہاتھ پیٹھ پر اور دوسرا ہاتھ پیٹ پر رکھ کر کھڑا ہو جاؤں؟“

پیارے سمجھدار بھائیو! اس عاشق رسول ﷺ کے واقعہ سے یہ امر واضح ہے کہ ”تعظیم و عبادت میں فرق نیت کی بنا پر ہوتا ہے لہذا دو جہاں کے سردار ﷺ کی بارگاہ میں ہاتھ باندھتے وقت ان کی نیت حضور پر نور ﷺ کو مستحق عبادت سمجھنے کی نہ تھی بلکہ محض تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے پیش نظر ہاتھ باندھے ہوئے اسی طرح فرشتوں، یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا سجدہ محض تعظیم کے لئے تھا۔

أَنَّهَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ:

الحمد للہ عزوجل! ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ اس پیارے دین کے ماننے والے ہیں جہاں شرعی اصول و ضوابط کے ساتھ نیت پر انحصار کیا جاتا ہے۔ نیت ہی کی بنا پر ہماری گرفت نہیں کی جاتی مثلاً کوئی شخص کسی ڈاکٹر کو کہے ”شکریہ ڈاکٹر صاحب! بروقت آپ نے میری مدد کی اور میری جان بچائی“۔

دیکھیں ”مدد کرنا“ اور ”جان بچانا“ اللہ تعالیٰ کا کام ہے پھر بھی کہنے والے پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں کیونکہ قائل کی ”نیت“ ڈاکٹر کو مستقل (یعنی الہ و خدا) جاننے کی نہیں۔ اسی طرح اہل پاکستان محمد علی جناح صاحب کو ”قائدِ اعظم“ کہتے ہیں لہذا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ جناب! آپ توبہ کریں!! قائدِ اعظم یعنی سب سے بڑے قائد تو صرف حضور ﷺ ہیں۔ آپ جناح صاحب کو یہ اعزاز کیوں دے رہے ہیں؟ نیز عمومی طور پر مسلمان شہنشاہ بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو غوثِ الاعظم و دستگیر ﷺ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں سب سے بڑا غوث اور دستگیر۔

پیارے بھائیو! آئیے!! مذکورہ مثالوں کو قرآن پاک اور حدیث پاک کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ حضرت نوح

ﷺ سے فرمایا گیا :

قُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿سورة المؤمنون آيت 29﴾

ترجمہ: ”کہو اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے“

دوسری جگہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

أَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿سورة يوسف، آيت 59﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کے قول پر غور کریں وہ اپنے آپ کو سب سے بہتر قرار دے رہے ہیں حالانکہ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ اللہ تعالیٰ کی

ذات ہے۔

خطاب حبیب پروردگار ﷺ:

حضور پر نور ﷺ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر آپ ﷺ کو کاشف الکربات یعنی مشکل کشا کا لقب عطا فرمایا۔

چنانچہ مفہمِ یَجِبُ أَنْ تَصَحَّحَ میں باحوالہ المواہب اللدنیہ، ج 1، ص 212 درج ہے:

عِنْدَ ابْنِ شَازَانَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ : مَا رَأَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَاكِئًا
قَطُّ أَشَدَّ مِنْ بُكَائِهِ عَلَى حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَضَعَهُ فِي الْقَبْلَةِ ثُمَّ
وَقَفَ عَلَى جَنَازَتِهِ وَانْتَحَبَ حَتَّى نَشَعَ مِنَ الْبُكَاءِ يَقُولُ : يَا حَمْزَةُ عَمَّ
رَسُولِ اللَّهِ وَأَسَدُ اللَّهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ ! يَا حَمْزَةُ فَاعِلُ الْخَيْرَاتِ ! يَا حَمْزَةُ
كَاشِفُ الْكُرَبَاتِ يَا ذَابُّ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ !

ترجمہ: ”حضرت ابن شاذان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر جتنا روتے ہوئے دیکھا اتنا کسی کی وفات پر روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (آپ ﷺ حضرت حمزہ کی وفات پر بہت رورہے تھے) ان کو قبلہ جانب رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے حتیٰ کہ رونے کی وجہ سے سسکی بندھ گئی اور فرما رہے تھے کہ يَا حَمْزَةُ عَمَّ رَسُولِ اللَّهِ وَأَسَدُ اللَّهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ (اے حمزہ، اے رسول اللہ کے چچا!، اے اللہ اور اس کے رسول کے شیر!) يَا حَمْزَةُ فَاعِلُ الْخَيْرَاتِ (اے حمزہ اے نیک کام کرنے والے) يَا حَمْزَةُ كَاشِفُ الْكُرَبَاتِ (اے حمزہ اے غموں کو دور کرنے والے مشکل کشا) يَا ذَابُّ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ (رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور سے ناپسندیدہ چیزوں کو دور کرنے والے)

حضور پر نور ﷺ کے ارشاد پر غور فرمائیں! وہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کاشف الکربات فرما رہے ہیں حالانکہ کاشف الکربات کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بلا شک و شبہ حضور پر نور ﷺ اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی نیت اللہ عز و جل سے مقابلے یا برابری کی نہیں ہے۔۔۔ اسی طرح حضور غوث الاعظم دتگیر علیہ السلام کہنے سے مسلمانوں کی نیت پیرانِ پیر کو اللہ عز و جل کے برابر قرار دینا نہیں ہے اور نہ ہی مسلمان قائدِ اعظم محمد علی جناح کا موازنہ حضور ﷺ سے کرتے ہیں۔

اسلام کی خصوصیت:

مذہبِ اسلام وہ عمدہ مذہب ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے۔ جہاں نیت پر اعمال کا دار و مدار ہے، وہیں یہ اصول بھی ہے کہ

جو امور شریعت نے ناجائز و حرام قرار دیئے ہیں ان میں خیر کی نیت کر لی جائے تب بھی وہ ناجائز و حرام ہی رہتے ہیں مثلاً سجدہ تعظیمی گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا مگر شریعت محمدیہ ﷺ میں ناجائز، حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اب اگر کوئی سجدہ تعظیمی بجالاتے ہوئے نیت خیر کی کر لے، اس کی نیت کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے سجدہ تعظیمی کی ممانعت فرمادی ہے۔

حضرت ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ

مَسَاجِدَ ﴿صحيح بخاری شریف کتاب الجنائز رقم الحديث 1301﴾

ترجمہ: ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال ظاہری میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

مکتہ المکرّمۃ کے محدث حضرت علی قاری علیہ الرحمۃ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (سن وصال: 685ھ) کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ

”یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کے مزاروں کو

سجدہ کرتے اور انہیں قبلہ بنا کر نماز میں

ان کی طرف منہ کرتے اسی لئے حضور ﷺ

نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو

ایسا کرنے سے منع فرمایا“

﴿مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - ج 1، ص 456﴾

مزید فرمایا: السَّجْدَةُ حَرَامٌ بِغَيْرِهِ سُبْحَانَهُ

ترجمہ: ”اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ حرام ہے“

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لَا يَجُوزُ السُّجُودُ إِلَّا لِلَّهِ تَعَالَى

ترجمہ: ”غیر اللہ کے لئے سجدہ نہیں“

☆ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدے کی ممانعت تو فرمائی ہے لیکن ہاتھ اور پاؤں چومنے سے منع نہیں فرمایا چنانچہ حدیث

پاک میں ارشاد ہے:

حَدَّثَنِي أُمُّ أَبَانَ بِنْتُ الْوَازِعِ بْنِ زَارِعٍ عَنْ جَدِّهَا زَارِعٍ وَكَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ

فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوْحَانَا فَنُقَبِّلُ يَدَ النَّبِيِّ وَرِجْلَهُ ﴿سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی قبلة الرجل، رقم حدیث: 4548﴾

ترجمہ: ”ام ابان بنت وازع بن زارع نے اپنے دادا جان حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو عبد القیس کے وفد میں شامل تھے انہوں نے فرمایا کہ جب ہم مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو تیزی سے اپنی سواریوں سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دینے لگے۔“

واضح رہے کہ سجدہ وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْأَرْضِ (زمین پر پیشانی رکھنے) کا نام ہے۔

﴿نور الانوار، بحث الخاص﴾

ضروری تنبیہ:

شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت اب کسی بھی فرد کو یا کسی بزرگ شخصیت کو حتیٰ کہ نبیوں کے سردار محبوب پروردگار دوعالم کے مالک و مختار باذن پروردگار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی جائز نہیں کہ کوئی شخص انہیں سجدہ کرے۔ اب اگر کوئی کسی مزار پر سجدہ تعظیمی کرتا ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے اور انتہا درجہ کی جہالت کا مرتکب ہے۔ پروردگار عالم عزوجل اور صاحب مزار علیہ الرحمۃ کی ناراضگی کا مستحق ہے۔ ﴿ملاحظہ ہو: حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ کی کتاب توحید باری تعالیٰ﴾

دین اسلام کو نقصان پہنچانے والوں میں فی زمانہ ایسے کم بختوں کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے صرف اور صرف مال کمانے کے مختلف ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے! لمبے لمبے بال، ہاتھوں میں کڑے، بیس پچیس انگوٹھیاں، عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھنا، نمازیں نہ پڑھنا اور صرف تعویذ دیتے رہنا یہ ایسے جاہل، بدعتی، نام نہاد، جعلی پیروں کی نشانیاں ہیں جن سے قربت و عقیدت دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے۔

جہلاء کا فعل دلیل و حجت نہیں:

بسا اوقات شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ مزار شریف کے باہر خرافات اور ڈھول دھماکوں کا بازار گرم رہتا ہے اور بعض بے وقوف لوگ صاحب مزار کو سجدہ کرتے ہیں لہذا مزار شریف پر حاضری دینا ہی ناجائز و حرام ہے۔ شیطان کے اس وار کی مثال تو ایسے ہے جیسے کسی شخص نے عیسائی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس عیسائی نے جواب دیا میں اسلام ہرگز قبول نہیں کروں گا کیونکہ مسلمان تو جھوٹے ہوتے ہیں اور فراڈ کرتے ہیں ﴿حالانکہ جدید تحقیق کے مطابق جھوٹ اور فراڈ میں عیسائیوں کو نمایاں No.1 position حاصل ہے اور world cup کے حق دار ہیں﴾ تو ایسے شخص کو اس طرح سمجھایا جائے گا کہ بے عمل، جھوٹے اور شریعت سے ناواقف لوگوں کا فعل ہمارے دین اسلام میں دلیل و حجت نہیں۔ دلیل و حجت ہمارے لئے اسلام کے قوانین ہیں جن میں ان چیزوں کی ممانعت ثابت ہے۔ اس گفتگو کے پیش نظر شیطان کا وار بھی ناکام ہو چکا کہ مزارات کی بے حرمتی کرنے والے جاہل لوگوں کا عمل دلیل و حجت نہیں۔

جس طرح اسلام کی دعوت قبول کرنے میں بے عمل لوگوں کا فعل رکاوٹ نہیں اسی طرح بزرگان دین کے مزارات سے فیض لینے میں جاہلوں کا عمل کیوں کر رکاوٹ بن سکتا ہے؟۔؟

شیطان کے آلہ کار:

شیطان نے خارجیوں کے ذریعے انبیاء (علیہم السلام) و صالحین (علیہم الرحمہ) کی محبت لوگوں کے دلوں سے نکالنے کی کوشش کی جیسا کہ گزر را انہوں نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو مشرک کہا (معائنۃ اللہ) اور دلیل قرآن کریم سے پیش کر رہے ہیں۔ حدیث پاک کی مشہور کتاب ”سنن ابن ماجہ“ میں امام عبد اللہ محمد بن ماجہ الربعی القزویٰ علیہ الرحمۃ (سن وصال: 273ھ) نے ”بَابُ فِی ذِکْرِ الْخَوَارِجِ“ کے تحت اس گروہ کی کثرت عبادت اور دیگر علامات کا تذکرہ فرمایا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا جس میں مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ وہ گروہ ظاہر ہوتا رہے گا حَتَّىٰ یَخْرُجَ فِی الْاِخِرِہُمْ الدَّجَالُ حتیٰ کہ ان کے آخر میں دجال ظاہر ہوگا یعنی یہ گروہ دجال سے مل جائے گا۔ مزید حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا جس میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس گروہ کے بارے میں فرمایا:

ہُمْ شِرَارُ الْخَلْقِ

ترجمہ: ”یہ مخلوق میں سب سے بدترین ہیں“

یہ ارشاد پاک سچوں کے سردار کا ہے جن کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی ﴿سورة النجم آیت ۴، ۳﴾

ترجمہ: ”اور وہ (نبی علیہ السلام) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے بلکہ وہ تو صرف وحی ہی ہے جو انہیں کی جاتی ہے“

یعنی حضور ﷺ ہر بات اللہ عزوجل کے حکم اور وحی سے فرماتے ہیں۔ محبوب ﷺ انہیں بدترین مخلوق فرما رہے ہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس گروہ سے محفوظ فرمائے کیونکہ حدیث پاک کے مطابق وہ گروہ ہمیشہ ظاہر ہوتا رہے گا اور آخر میں دجال سے ملے گا۔

خون کے آنسو:

اسی گروہ نے امام الموحدین سید الانبیاء والمرسلین آقائے دو جہاں ﷺ کے بارے میں ایسے گستاخانہ اور نازیبا کلمات کہے ہیں **الامان! ثم الامان!** جس کا ضمیر زندہ ہو وہ خون کے آنسو روئے اور بے قرار ہو کر اللہ عزوجل سے اپنے ایمان کی حفاظت طلب کرے۔

محبوب ﷺ بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کا نور پہنچاتے ہوئے، لوگوں کو جہنم کے گڑھے سے بچاتے ہوئے جنت کی راہ پر اس حسین انداز سے گامزن فرما رہے تھے کہ اپنے قدموں سے وابستگی کے ذریعے اپنے مالک و مولیٰ کا پیارا اور پسندیدہ بندہ بنا رہے تھے چنانچہ ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت و محبت کی وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور محب ہو جائے گا۔ جب اس گروہ میں شامل منافقین نے سنا تو سخت نازیبا کلمات کہے جس کے رد میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴿پ5، سورة النساء، آیت 80﴾

ترجمہ: ”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بیشک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی“

جس کا شان نزول مفسر شہیر حضرت علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ (سن وصال: 606ھ) عالم اسلام کی مشہور ترین تفسیر (کبیر) میں نقل فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: ”مَنْ أَحَبَّنِي فَقَدْ أَحَبَّ اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ: لَقَدْ قَارَبَ هَذَا الرَّجُلُ الشِّرْكَ وَهُوَ أَنْ يَنْهَى أَنْ نَعْبُدَ غَيْرَ اللَّهِ وَيُرِيدُ أَنْ نَتَّخِذَهُ رَبًّا كَمَا اتَّخَذَتِ النَّصْرَى عِيسَى فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿ج4، ص150، مطبوعه احياء التراث العربی بیروت لبنان﴾

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی اس نے درحقیقت اللہ عزوجل سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ عزوجل کی اطاعت کی منافقوں نے کہا تحقیق یہ ہمیں غیر اللہ کی عبادت سے روکتے ہیں حالانکہ یہ خود شرک کے قریب ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں رب مان لیں جیسا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو رب مانا (معاذ اللہ) اس پر اللہ عزوجل نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

نوٹ: اسی مفہوم کو پیشوا و مقتدا حضرت علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (سن وصال: ۷۲۵ھ) نے بھی تفسیر خازن جلد 1، صفحہ 405 پر تحریر فرمایا

نام خدا اور دھوکہ ... صد افسوس:

اس گروہ نے ہمیشہ اللہ عزوجل کی محبت ظاہر کر کے لوگوں کو صالحین حتیٰ کہ نبیوں کے سردار ﷺ سے دور کیا۔ شیطانی مکرو فریب کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے؟۔۔۔ کہ لوگوں کے دلوں سے عظمت مصطفیٰ ﷺ کا چراغ گل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام کو ذریعہ بنایا (معاذ اللہ عزوجل) حضور ﷺ سے دوری کا سبب یہی ظاہر کیا کہ ہم حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے گویا کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ حضور ﷺ نے اپنا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنا ذکر پہلے کیا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بعد میں کیا۔۔۔ یعنی فرمایا کہ میری محبت و اتباع کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے محب اور مطیع بن جاؤ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اتباع کرو تا کہ میرے محبوب بن جاؤ (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ) حقیقتاً یہ لوگ کتنے نادان و ناسمجھ تھے جو شرم نبی ﷺ اور خوفِ خدا عزوجل سے محروم تھے۔ انہوں نے امت

کے پیشوا شرک کے دلدل سے بچانے والے محبوب کریم ﷺ کو معاذ اللہ شرک کا پرچار کرنے والا قرار دیا۔ اے کاش ہمارے ضمیر بیدار ہو جائیں، ہماری محبتیں محض رضائے الہی عزوجل کے لئے ہوں۔ یاد رکھیں! خوب یاد رکھیں!! دنیا کی مرو تیں کہیں بروز قیامت شرمندہ نہ کروادیں۔

معلوم یہ ہوا کہ چودہ سو سال قبل شیطان نے اس وار (حضور ﷺ) کا مرتبہ اللہ عزوجل سے بڑھ گیا) کے تحت لوگوں کو اس حقیقت کے سمجھنے سے دور رکھا کہ حضور ﷺ کی محبت و اطاعت درحقیقت اللہ عزوجل کا مطیع اور محب ہونا ہی ہے اور انبیاء و صالحین کی تعریف اللہ عزوجل کی تعریف ہے۔ اس گفتگو کو سمجھنے کے لئے قرآن پاک کی مشہور و معروف آیت الحمد للہ رب العالمین کے تحت مفسرین کے ارشاد پر غور و تفکر کرنا اور اسے ذہن میں محفوظ رکھنا ایمان کی تقویت کا باعث ہوگا۔ ﴿ان شاء اللہ عزوجل﴾

تمام خوبیاں اور تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں:

قرآن کریم میں ارشاد ہے **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** جسکے معنی ہیں: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تعریف کے لائق (صرف) اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے تو پھر قرآن پاک میں انبیاء کرام اور اولیائے کاملین کے فضائل و مراتب کا ذکر بطور تعریف کیوں کیا گیا ہے؟۔۔۔

قرآن پاک بلا شک و شبہ وہ بلند رتبہ کتاب ہے جو منافات و ٹکراؤ سے پاک ہے پھر یہ کیا معاملہ ہے؟ مفسرین کرام نے بڑا پیارا اصول ارشاد فرمایا جسکی روشنی میں بات بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا ”**مصنوع کی تعریف صانع ہی کی تعریف ہوتی ہے**“ یعنی ”عمدہ چیز کی تعریف حقیقتاً عمدہ شے بنانے والے کی تعریف ہے“ پتا چلا کہ درحقیقت صلاحیت، کمال، مرتبہ، بلندی اور فضیلت صانع حقیقی خالق و مالک عزوجل ہی فرماتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت معلوم ہوا کہ جو خوش نصیب مسلمان حضور پر نور ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے محبوب ﷺ کی ثنا خوانی کرتے ہوں یا بزرگان دین کے طریقے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے محبوب سبحانی حضور غوث الاعظم ﷺ کی منقبت پیش کرتے ہوں تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد کرتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرضوان کو عظمتیں اور رفعتیں اللہ عزوجل ہی نے عطا فرمائی ہیں۔ جو ذات باری عزوجل عطا فرما رہی ہے، اس میں اور جس کو عطا کیا جا رہا ہے، ان حضرات قدسیہ میں برابری کا تصور محال ہے۔ اس اصول کو سمجھنے کے لئے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی عطا کردہ مثال انتہائی مفید ہے جس میں آپ علیہ الرحمۃ نے مخلوق کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ برابری اور یکسانیت کو محال قرار دیتے ہوئے نفیس بحث ارشاد فرمائی اور اسی محققانہ کلام کے ذریعے یہ بات چمکتے ہوئے سورج کی طرح روشن اور واضح ہے کہ ایک بوند کے کروڑ ویں حصے کو کروڑھا کروڑ سمندروں سے جو نسبت حاصل ہے مخلوق کی تمام صفات و خوبیوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے وہ نسبت بھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

چنانچہ مفہوم کلام اعلیٰ حضرت پیش خدمت ہے:

”تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین
 سب کے علوم مل کر علومِ الہیہ سے وہ نسبت نہیں
 رکھتے جو کروڑ ہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی
 بوند کے کروڑویں حصے کو حاصل ہے۔ کیونکہ تمام
 سمندروں اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی
 (محدود) ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی در غیر
 متناہی در غیر متناہی ہے۔ عرش و فرش، مشرق و
 مغرب اور تمام کائنات کا علم روزِ اول سے روزِ آخرت
 تک اگر مخلوق کو حاصل ہو جائے تو بھی وہ متناہی
 (محدود) ہے۔ کیونکہ عرش و فرش دو حدیں ہیں، مشرق
 و مغرب دو حدیں ہیں، روزِ اول تا روزِ آخر دو حدیں ہیں،
 اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے سب متناہی (محدود)
 ہے۔“

معلوم ہوا کہ متناہی (محدود) اور غیر متناہی میں برابری کا تصور ہی محال اور ناممکن ہے تو پھر شرک کہنا کیونکر درست ہوگا؟ فَافْهَمْ

قرآن پاک سے استدلال کا صحیح طریقہ:

تحریر کا آغاز عظمتِ قرآن پاک سے ہوا اور ہماری گفتگو کا محور مرکز یہی رہے گا کہ قرآن پاک کی آیات سے استدلال کا صحیح طریقہ
 کیا ہے؟ تاکہ معیارِ ہدایت ہم پر روشن ہو جائے کیونکہ نجات اور معیارِ ہدایت کی بنیاد مکمل قرآن پاک پر ایمان لاتے ہوئے احادیثِ طیبہ
 کے نور سے پر نور ہو کر صحابہ علیہم الرضوان اور بزرگانِ دین علیہم الرحمۃ کے طریقے اپنانے میں ہے۔ یقیناً گمراہی اور بدبختی ان لوگوں کا مقدر
 بن گئی جنہوں نے قرآن پاک کی بعض آیات پر ایمان رکھا اور بعض کا انکار کر دیا جیسے فرقہ مرجیہ جن کے نزدیک نجات کیلئے صرف ایمان کافی
 ہے عمل کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر تو ایمان لائے:

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿پارہ 24، سورۃ الزمر، آیت 53﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے“

لیکن اس آیت کے منکر ہوئے۔

مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ ﴿پارہ 5، سورۃ النساء، آیت 123﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا“

فرقہ ناجیہ نے کہا جب اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا تو عمل کی کیا ضرورت ہے، صرف ایمان کافی ہے۔ دوسری آیت پر غور نہ کیا جس میں گناہوں سے بچنے کی تاکید ہے اور عمل بد سے اجتناب کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

معیار ہدایت:

اللہ عزوجل کی خوشنودی اور جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں کے وہی حقدار ہونگے جو قرآن پاک کے صحیح معنی و مفہوم کو جان کر صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں گے لہذا قرآن پاک کی ایک آیت کو اختیار کر کے دوسری کا انکار کرنا، حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کی معرفت نہ رکھنا قرآن پاک کے فیوض و برکات سے نہ صرف دوری بلکہ دائمی ندامت کا سبب ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿پارہ 25، سورة الشورى، آیت 49﴾

ترجمہ: ”اللہ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے“

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی عزوجل ہے:

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُولُ رَبِّكَ لِاهَبَ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿پارہ 16، سورة مريم، آیت 19﴾

ترجمہ: ”(جبریل امین نے) کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تجھے ایک سترہ ایٹا دوں“

ان دونوں آیات پر ہمارا ایمان ہے حقیقتاً بیٹا عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور مجازاً بیٹا عطا فرمانے کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ ان آیات کے نور سے متمتع ہونے کی برکت سے معلوم ہوا کہ جب مَوْحِدٌ (مسلم) کسی چیز کی نسبت اپنی جانب یا کسی غیر کی طرف مبذول کروائے تو اس کو مجازِ عقلی کہیں گے اور دہریہ کہے تو حقیقت کہلائے گا۔

علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ ﴿سن وصال: 791ھ﴾ مطول میں ”احوال الاسناد الخمری“ کے تحت فرماتے ہیں:

”جب موحد (مسلم) سے ”اَنْبَتَ الرَّبِّيعُ الْبُقْلَ“ (موسم بہار نے سبزہ اگایا) (ایسا کلام) صادر ہوگا تو حکم کیا جائے گا کہ یہ اسناد مجازی ہے کیونکہ موحد کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اگانا بہار کی صفت ہے جبکہ یہی بات اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر کہے گا تو اسے حقیقت کہا جائے گا“ ﴿المطول ص 106﴾

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

”اگر دہریہ نے کہا کہ طبیب نے مرض کو شفا دی تو یہ حقیقت ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا قائل ہی نہیں ہے۔ یہی بات اگر مومن نے کہی تو اسے مجازِ عقلی کہا جائے گا اور اس کا ایمان دار ہونا اس بات کی علامت ہوگا کہ وہ شفا کی نسبت طبیب کی طرف اس لئے کر رہا

ہے کہ وہ شفا کا سبب ہے، اس لئے نسبت نہیں کر رہا کہ فی الواقع طبیب نے شفا دی ہے۔ شفا دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔“
مزید ارشاد فرماتے ہیں:

اس گفتگو پر غور کرنے سے مسئلہ استعانت (مدد طلب کرنے) کی حیثیت بالکل واضح ہو جاتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم الرحمة سے مدد چاہنے والا اگر مومن ہے تو اس کا ایماندار ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے نزدیک کارساز حقیقی، مقاصد کا پورا کرنے والا، حاجتیں بر لانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ان امور کی نسبت اولیاء و انبیاء کی طرف مجاز عقلی کے طور پر کی گئی ہے کہ وہ مقاصد کے پورا ہونے کے لئے سبب اور وسیلہ ہیں۔ ﴿عقائد و نظریات صفحہ 184، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور﴾

علامتہ الدھر سیدی و سندی امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمة ﴿سن وصال: 756ھ﴾ مشہور زمانہ تصنیف ”شفاء السقام“ میں مدد طلب کرنے اور وسیلہ بنانے کو ایک ہی شے قرار دیتے ہیں جس کا ذکر علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب اس طرح فرماتے ہیں:

فَإِنَّ التَّوَسُّلَ وَالِاسْتِعَانَةَ وَإِنْ كَانَ مُخْتَلِفَيْنِ لَفَظًا لَكِنَّهُمَا مُتَّحِدَانِ مَعْنًى

﴿من عقائد اہل السنة ص 185، مطبوعہ منظمة الدعوة الإسلامية﴾

ترجمہ: ”توسل اور استعانت (وسیلہ بنانا اور مدد طلب کرنا) اگرچہ الگ الگ الفاظ ہیں لیکن ان کی مراد ایک ہی ہے“
مذکورہ بالا اصول شرعی (مدد طلب کرنا اور وسیلہ بنانا ایک ہی شے ہے) کو بیان فرمانے والے تقی الدین والملة کے متعلق محقق زمان، امت کے پیشوا، علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین جلی علیہ الرحمة سیرت مبارکہ **انسان العیون** تحریر کرتے ہیں کہ
مِنْ عَالِمِ الْأُمَّةِ وَمُقْتَدَى الْأَئِمَّةِ دِينًا وَرَعًا تَقِي الدِّينِ سُبُكِي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَتَابَعَهُ عَلَى ذَلِكَ مَشَائِخُ الْإِسْلَامِ فِي عَصَرِهِ

یعنی ”آپ علیہ الرحمة اس امت کے ایسے عالم ہیں جو دین و تقویٰ میں اماموں کے امام اور اپنے زمانہ کے ائمہ کرام اور مشائخ اسلام کے مقتدی اور پیشوا ہیں“

اس محققانہ کلام سے اس امر کی وضاحت نہایت ہی عمدہ پیرائے میں کی گئی کہ جب مسلمان اللہ والوں سے مدد طلب کرے یا ان کی ذات کو وسیلہ بنائے تو یہ دونوں فعل اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان کارساز حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جانتا ہے اور قرآن مجید کے اس فرمان پر عمل پیرا ہے جس میں ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** ﴿پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت 35﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو“

خلاصہ، کلام: گفتگو کا محور و مرکز یہی ہے کہ قرآن پاک سے فیض حاصل کرنے کیلئے تمام آیات پر ایمان ضروری ہے لہذا مزید غور و فکر

کے ذریعے نورِ قرآن کو سینے میں محفوظ کرتے ہیں ارشادِ باری عزوجل دیکھئے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ ﴿پارہ 24، سورة الزمر، آیت 42﴾

ترجمہ: ”اللہ جانوروں کو موت دیتا ہے (روح قبض کرتا ہے)“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ﴿پارہ 21، سورة السجده، آیت 11﴾

ترجمہ: ”تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے“

غور فرمائیں! فعل ایک ہی ہے یعنی ”موت دینا“۔۔۔ ایک طرف موت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو دوسری طرف یہ

بات اظہر من الشمس ہے کہ پوری کائنات میں جہاں جہاں موت واقع ہوتی ہے، ملک الموت

روح قبض فرماتے ہیں۔ یقیناً موت دینا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہاں ملک الموت

کا روح قبض کرنے کا عقیدہ شرک نہیں۔ لہذا کہا تو یہی جائے گا کہ ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرتے ہیں

لیکن معنی مراد یہ ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے موت دیتے ہیں اسی طرح کہا تو یہی جاتا ہے کہ غوثِ پاک مدد

کرتے ہیں لیکن مراد یہی معنی یہی ہوتے ہیں کہ حضور غوثِ اعظم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے مدد کرتے ہیں جیسا کہ ہم شرک فی

الصفات کی بحث میں بخوبی جان چکے ہیں کہ صالحین کی خوبیوں اور اختیارات کے ضمن میں باذن اللہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔۔۔ یقیناً

بلاشبک وشبہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا مگر اللہ والے اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت اور اس کی دی ہوئی طاقت سے

مقام رکھتے ہیں اس کا اندازہ حدیثِ قدسی سے لگائیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ

عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ

الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَلَئِنْ سَأَلْنِي لِأَعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ

اسْتَعَاذَنِي لِأُعِيذَنَّهُ . ﴿بخاری شریف جلد 2، صفحہ 963، کتاب الرقاق، باب التواضع رقم الحدیث 6021، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ﴾

ترجمہ:

”اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسولِ اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلانِ جنگ

ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل

کے ذریعے میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا

ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں۔“

مفسر کبیر علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ ﴿سن وصال: 606﴾ حدیثِ قدسی کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الْعَبْدُ إِذَا وَاطَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ إِلَى الْمَقَامِ الَّذِي يَقُولُ اللَّهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا فَإِذَا صَارَ نُورٌ جَلَالِ اللَّهِ سَمْعًا لَهُ سَمِعَ الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورُ بَصَرًا لَهُ رَأَى الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورُ يَدًا لَهُ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيدِ وَالْقَرِيبِ.

﴿تفسیر کبیر، جلد 7، صفحہ 436، سورہ کہف، آیت اُمِّ حَسْبَتْ اَنَّ اَصْحَبَ الْكُهْفِ مَطْبُوعًا رَاحِيَاءَ التَّرَاثِ الْعَرَبِيَّ يَرُوت﴾

ترجمہ: ”اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی جلال کا نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان، دور اور قریب کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے (یعنی بندہ مومن دور سے پکار سننے اور مدد کرنے پر قادر ہو جاتا ہے)۔“

غزالی زمان رازی، دوران حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حدیثِ قدسی کی شرح میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے مقرب بندہ کی شان میں جو کچھ لکھا ہے وہ عبد اور بشر سمجھتے ہوئے لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس طرح ان صفاتِ عالیہ کا اس بندہ کیلئے ماننا اس کی عبدیت اور بشریت کے منافی نہیں۔ یہ انسانیت کا کمال ہے کہ بندہ صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو جائے جب اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع کی تجلیاں اس کی سمع میں چمکنے لگیں گی تو یہ ہر قریب و بعید کی آواز کو سن لے گا۔ یہ اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ظل ہے، عکس ہے اور پرتو ہے۔ پرتو اور ظل غیر مستقل ہوتا ہے اور پرتو والا مستقل ہوتا ہے۔ پس اصل تو حید تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کر لے کہ خدا کی صفات کا آئینہ بن جائے۔ امام المفسرین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بصر کا نور جب اس کی بصر کے صیقل شدہ آئینے میں چمکے گا تو وہ ہر نزدیک اور دور کی چیز کو دیکھ لے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس کے ہاتھ پاؤں دل اور دماغ میں ظاہر ہوں گے تو یہ ہر آسان، ہر مشکل اور پر دور و نزدیک کی چیزیں پر قادر ہو جائے گا۔ اب بتائیے کہ جب مشکل پر بندے کی قدرت ثابت ہوگئی تو مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر خوب یاد رکھئے کہ خدا کا

مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیوں کہ بندہ اگر کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے اور اللہ کے اذن سے کرتا ہے“

﴿مقالات کاظمی حصہ سوم مقالہ نمبر 1 توحید و شرک ص 11﴾ (مطبوعہ بزم سعید جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان)

پس واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے۔ اب بتائیے کہ جب عین توحید شرک کہلائے گا تو اسلام پھر کیا ہوگا؟

صالحین کا اختیار:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ملک سبا کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے طلب کیا تا کہ اسے اپنے رب قدوس عزوجل کی قدرتِ کاملہ کا بین ثبوت دکھائیں نیز اس پر یہ امر بھی واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی عزت اور کمال سے نوازا ہے کہ آپ کے غلاموں میں بھی ایسے باکمال لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ مفسرین ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بھاری بھر کم تخت اسی (80) گز لمبا چالیس گز چوڑا سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع دو ماہ کی مسافت پر تھا اس قدر سخت پہرے میں رکھا گیا کہ مفسرین علیہ الرحمہ لکھتے ہیں سات کمروں کے سات تالوں میں مقفل تھا اور اس پر پہرہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَعْرِشَهَا﴾ (پارہ 19، سورۃ النمل، آیت 38)

ترجمہ: ”تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے“

اس وقت دربار میں موجود ولی کامل حضرت آصف بن برخیا علیہ الرحمۃ نے عرض کی:

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ (سورۃ النمل، آیت 40)

ترجمہ: ”اس (آصف بن برخیا) نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کی بارگاہ میں حاضر کر دوں گا پلک جھپکنے سے پہلے“

آپ علیہ السلام نے فرمایا ”لے آؤ“۔ حضرت آصف بن برخیا علیہ السلام نے فوراً ہی تخت سامنے موجود کر دیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے مدد طلب کیوں کی؟ حالانکہ انبیاء علیہم السلام بڑے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے دور کے فاصلے ان کیلئے کوئی حثیت نہیں رکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تو درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اگر ان کا امتی ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور معرفت الہی عزوجل پالے تو اس کا مرتبہ و مقام عام بشر کی طاقت

سے بلند و بالا ہو جاتا ہے اور جب یہ شان ہوگی خدمت گاروں کی تو سردار کا عالم کیا ہوگا؟

اہم ترین سوال یہ ہے کہ آناً فاناً اتنے بڑے تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے حضرت آصف بن برخیا نے کیسے حاضر کر دیا؟ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں موجود جنات بھی اتنی جلدی تخت لانے سے عاجز تھے جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا۔

اولیاء علیہ الرحمہ اور لفظ کن:

اس مشکل کو بڑے محققانہ انداز میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

وَقَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ قُدْسَ سِرِّهِ إِنَّ آصِفَ تَصَرَّفَ فِي عَيْنِ الْعَرْشِ فَأَعْدَمَهُ فِي مَوْضِعِهِ وَأَوْجَدَهُ عِنْدَ سُلَيْمَانَ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ أَحَدٌ بِذَلِكَ إِلَّا مَنْ عَرَفَ الْخَلْقَ الْجَدِيدَ الْحَاصِلَ فِي كُلِّ آنٍ وَكَانَ زَمَانٌ وَجُودِهِ عِنْدَ زَمَانٍ عَدَمِهِ وَكُلُّ مِنْهُمَا فِي آنٍ وَكَانَ عَيْنُ قَوْلِ آصِفٍ عَيْنَ الْفِعْلِ فِي الزَّمَانِ فَانَّ الْقَوْلَ مِنَ الْكَامِلِ بِمَنْزِلَةِ كُنْ

مَنْ اللَّهُ تَعَالَى ﴿تفسير روح المعانی 185/19﴾

ترجمہ:

”شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا: حضرت آصف بن برخیا نے تخت بلقیس میں تصرف کیا، اسے اس کی جگہ معدوم (غائب) کیا اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اسے موجود کیا کہ کسی کو اس کا احساس نہ ہو سکا سوائے اس کے جو ہر آن میں حاصل ہونے والی جدید تخلیق کو جانتا تھا اس کے وجود کا بعینہ وہی زمانہ تھا جو اس کے عدم کا زمانہ تھا اور ان میں سے ہر ایک۔۔ ایک آن میں تھا۔ حضرت آصف کا

قول اور فعل زمانے کے اعتبار سے ایک ہی تھا اس لئے کہ کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے ’کن‘ کے منزله

میں ہے۔“

یعنی کاملین اللہ عز وجل کی طاقت سے ’کن‘ (ہو جا) کہیں تو وہ کام ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآنی واقعہ سے ثابت ہے۔ اولیاء اللہ جن غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں جب ان کے مدد فرمانے کے واقعات سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور نظر آتا ہے اور ذہنوں میں فرمان ربانی عز وجل نور کی شکل میں نقش ہو جاتا ہے اور زبان سے یہ ادا ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿پارہ 1، سورة البقرة، آیت 20﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے“

سبحان اللہ! خالق ارض و سماء کی قدرت اس کے پیاروں کے اختیارات کی روشنی میں ظہور پذیر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ترجمہ: ”بے شک سارا فضل اللہ کے دستِ قدرت میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے“

اللہ اکبر! میرے رب عزوجل کے فضل اور اس کی عطا سے کاملین کی طاقت ایمان

کی پختگی کا باعث ہے۔

مزید ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾ (پارہ 15 ع 2، سورۃ بنی اسرائیل، آیت 20)

ترجمہ: ”آپ کے رب کی بخشش کسی سے رکی ہوئی نہیں“

اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت، فضل و عطا کو کبھی اپنی ناقص عقل پر نہ تو لیں اور شیطان کو کامیاب ہونے سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سراسر خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ اللہ عزوجل کی عطاء و بخشش کو محدود نہیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ولایت کا تاج عطا کیا یا اپنا خلیفہ بنا کر نبوت سے مشرف فرمایا اب ان پیاروں کے اختیارات صرف ظاہری زندگی تک محدود کر دیئے ہوں، ایسا قطعاً نہیں!!

شیطانی مشورہ:

شیطان انتہائی مکاری سے اللہ عزوجل کے فضل و عطاء کو محدود ماننے کا مشورہ پیش کرتا ہے کہ انبیاء و صالحین کو بعد از وفات مدد کے لئے پکارا جائے تو شرک لازم آئے گا چنانچہ شیطان اپنے اس مشورہ کو قرآن پاک کی آیت **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** کے ذریعے ذہنوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ واضح رہے کہ شیطان مشورہ دینے میں کنجوسی نہیں کرتا۔ **اس بدبخت نے خارجیوں کو مشورہ پیش کرتے ہوئے خود ساختہ توحید کا ایسا غلبہ کر دیا کہ انہوں نے صحابہ علیہم الرضوان کو مشرک قرار دیا (معاذ اللہ!) لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ بدبخت شیطان کو بے نقاب کر دیں تاکہ وسعتِ نظری رکھنے والا۔۔۔ حق کا متلاشی۔۔۔ تعصب سے متنفر۔۔۔ انصاف پسند حق و سچ کی طرف بلا تردد مائل ہو سکے۔**

خود ساختہ توحید:

شیطان نے خود ساختہ توحید کی بنیاد زندہ، مردہ، قریب اور بعید پر قائم کی اور اپنے آلہء کار خوارج کے طریقے کے مطابق قرآن پاک سے دلیل پیش کی کہ **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** یعنی ”ہم تیری عبادت کریں اور تجھ ہی سے مدد طلب کریں“ اس آیت سے شیطان نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زندہ سے مدد طلب کی جائے تو جائز اور فوت شدہ سے مدد طلب کریں تو شرک۔ اسی طرح قریب والے سے مدد طلب کریں تو جائز اور دور سے مدد طلب کریں تو شرک ہوگا اسی طرح امورِ عادیہ میں مدد طلب کریں تو جائز اور امورِ غیر عادیہ میں شرک ہوگا۔

جدید اصطلاح:

شیطان مشورہ پیش کرتا ہے کہ امورِ عادیہ یعنی عام طور پر جو کام کسی کے بس اور اختیار میں ہوتے ہیں ایسے امور میں مدد طلب کرنا اور فائدے کی امید رکھنا شرک نہیں مثلاً ڈاکٹر سے دوا طلب کرنا یہ شفا کا ذریعہ ہے اور امورِ عادیہ میں داخل ہے لہذا ایسی امداد قطعاً شرک نہیں وغیرہ البتہ امورِ غیر عادیہ میں مدد طلب کرنا یا فائدے کی امید رکھنا شرک ہے۔

پیارے بھائیو! قرآن و حدیث سے یہی مستفاد ہے کہ امورِ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ مدد

طلب کرتے وقت عقیدے کا اعتبار ہے یعنی جس سے فائدے کی امید رکھی گئی ہے چاہے وہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں ہو یا بڑے سے بڑے کام میں ہو زندہ ہو یا وفات شدہ، قریب ہو یا بعید اگر خدا، الہ، معبود سمجھا تو شرک۔۔۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شرک بھی نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تختِ بلقیس کو درباریوں سے طلب کیا حالانکہ وہ بھاری تخت سینکڑوں میل کی مسافت پر تھا۔۔۔ آپ علیہ السلام کا تخت طلب کرنا امورِ عادیہ سے تو ہونے لگا یقیناً یہ امورِ غیر عادیہ میں مدد طلب کی گئی ہے۔ شیطانی جدید اصطلاح کے پیش نظر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟؟؟۔۔۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کرتے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا سبب قرار دیا (سورہ یوسف آیت نمبر ۹۳)۔ عادتاً کرتا بینائی کا سبب نہیں ہوتا اگر کرتے کو بینائی کا سبب قرار دیں تو لازم آئے گا کہ ہر ایک کا کرتا بینائی عطا کر دے حالانکہ ایسا نہیں اسی طرح حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جنت کا سوال کرتے ہیں حالانکہ جنت کا دینا کسی کے بس اور اختیار میں نہیں اگر یہ سوال شرک تھا تو رسول اللہ ﷺ جلال اور غضب کی حالت میں صحابی کو فرما دیتے کہ یہ امورِ غیر عادیہ ہیں خبردار کبھی اس قسم کا سوال نہ کرنا بلکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مزید کرم فرمایا۔

خود ساختہ توحید کا وبال:

شیطانی قانون (Law) کے تحت زندہ کو سجدہ کرے تو جائز ہونا چاہئے اور مردہ کو سجدہ کرے تو شرک (استغفر اللہ !!)، اسی طرح زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز مردے کے نام پر شرک (معاذ اللہ !!)، نیز قریب والے کے لئے نماز پڑھے تو جائز۔۔۔ بعید والے کیلئے پڑھے تو شرک (الامان ! الامان !!)۔

دیکھئے! شیطان کی خود ساختہ توحید (جو کہ زندہ، مردہ، قریب اور بعید کے فرق پر موقوف ہے) کس طرح شرک کے دلدل میں پھنسا دیتی ہے کہ اس نے میت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب والے افراد کو خدا کا شریک بنا دیا۔ مزید یہ کہ اگر دور سے پکارنا ہی شرک ہو تو کیا کسی بت کو قریب سے پکارنا شرک نہیں ہوگا؟ اسی طرح جو زندہ فرعون کو الہ سمجھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتے تھے یقیناً وہ بھی مشرک ہی تھے اگرچہ فرعون زندہ اور قریب تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ شرک کا تعلق عقیدہ سے ہے کہ وہ جس کو پکار رہا ہے

اس کو الہ، معبود اور خدا یقین کرتا ہے تو شرک ہے خواہ دور سے ہو یا نزدیک سے، وہ زندہ ہو یا مردہ۔ قرآن پاک نے بارہا اس کی تصریح کی ہے۔۔۔ لَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ یعنی ”کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا سمجھ کر مت پکارو“۔۔۔۔۔ جہاں تک تعلق إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا ہے اس کی مذکورہ تفسیر (زندہ، مردہ، قریب اور بعید پر موقوف) قرآن پاک میں معنوی تحریف کے مترادف ہے۔ حدیث پاک میں ہے مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَرَأِيهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنی جس نے قرآن پاک میں اپنی رائے سے تفسیر کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیا ﴿جامع ترمذی کتاب التفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث 2875﴾

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے چاہے وہ امور عادیہ سے ہوں یا غیر عادیہ سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حقیقی مددگار (الہ اور خدا) سمجھ کر اس سے مدد طلب کرنا صریح شرک ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کو غیر مستقل سمجھتے ہوئے محض واسطہ رحمت الہی عز وجل جان کر اس سے مدد طلب کرنا ہرگز شرک نہیں بلکہ جائز ہے اس لئے کہ یہ استعانت (مدد طلب کرنا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

پیارے بھائیو! دراصل شیطان کے اصول قرآن وحدیث سے متصادم ہوتے ہیں چنانچہ الحمد للہ والناس، بخاری ومسلم اور تمام کتب احادیث میں کہیں یہ اصول مذکور نہیں کہ زندہ سے مدد طلب کی جائے تو جائز اور فوت شدہ سے شرک۔ اسی طرح قرآن پاک اور احادیث، صحابہ اور بزرگان دین کے اقوال میں یہ تحریر نہیں کہ صالحین کے پردہ کرنے کے بعد مدد فرمانے کی طاقت وقوت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ بزرگان دین اور صحابہ علیہم الرضوان بعد از وصال مدد فرمانے کو جائز قرار دیتے تھے جس کا واضح ثبوت ان کے عقائد ونظریات سے ظاہر ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

صحابہ علیہم الرضوان کا عقیدہ:

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب نے سراٹھایا۔ اس کے ساتھ 60 ہزار فوجی تھے۔ اس جنگ یمامہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ ایک موڑ وہ آیا کہ مسلمان سخت مشکل میں مبتلا ہوئے۔ اس پریشانی میں مسلمانوں کے سپہ سالار جلیل القدر صحابی رسول ﷺ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو مدد کیلئے پکارا:

كَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَا مُحَمَّدًا ﴿ملاحظہ ہو البداية والنهاية، جلد 6، صفحہ 24﴾

یعنی ”اس دن مسلمانوں کا شعار حضور ﷺ کو مدد کیلئے پکارنا تھا“

سبحان اللہ! صحابہ علیہم الرضوان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ باذن اللہ مددگار ہیں صحابہ علیہم الرضوان کی عقیدت ومحبت ہی تو معیار ایمان ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان کے نزدیک ذات رسالت مآب ﷺ کا مرتبہ ومقام بلند وبالا ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان تو محبوب ﷺ سے

نسبت رکھنے والے موئے مبارک شریف کو مشکل کشا جانتے ہوئے حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے در پر حاضر ہوتے اور بیماری سے شفا پاتے۔ واضح رہے کہ کسی کے بال عادتاً شفا یابی کا ذریعہ نہیں ہوتے۔

صحابہ علیہم الرضوان کا عمل:

صحابہ کرام علیہم الرضوان سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے در انور پر موئے مبارک شریف کی نسبت سے سوالی بن کر مشکلات سے نجات کے لئے حاضر ہوتے اور بیماری سے شفا پاتے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَةً فَأَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ تُمَسِّكُهُ فِي جُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَخَضَخَتْهُ لَهُ فَشَرِبَ. ﴿مشکوٰۃ شریف صفحہ 390، اسی کے مثل الفاظ بخاری کتاب اللباس رقم ۵۴۴۶ میں ہیں﴾

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مویہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں یا اور جگہ زخم پہنچتا تو آپ کے پاس پیالہ دے کر بھیجتے پس ام المومنین حضور ﷺ کے موئے مبارک نکالتیں جنہیں وہ گھنٹی کی شکل کی ایک چاندی کی نلکی میں رکھا کرتی تھیں پس وہ اس نلکی کو پانی میں ڈال کر نکالتیں پس وہ شخص اس پانی کو پیتا۔

مبارک زمانہ اور پاکیزہ سوچ:

وَعَنْ أَبِي الْجَوَّازِ قَالَ قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا فَشَكُّوا إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَقَالَتْ انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَاجْعَلُوا كَوِيَّ إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوا فَمُطِرُوا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَاسْمَتِ الْإِبِلُ حَتَّى تَفَقَّتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسَمِيَ عَامُ الْفَتْحِ ﴿مشکوٰۃ ص 545﴾

ترجمہ: حضرت ابو جوازؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارکہ کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو یہاں تک کہ قبر اطہر اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس زور کی بارش ہوئی کہ خوب سبزہ پیدا ہوا اور اونٹ فر بہ ہو گئے اور ان کی چربی پھٹی جاتی تھی اور اس سال جو لوگ خوشحالی کا سال کہنے لگے، ﴿توضیح البیان﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صحابہ اور تابعین کو مشکل سے نجات کیلئے قبر انور کا راستہ دکھایا جسے صحابہ اور تابعین نے قبول فرما کر اپنے عقائد و نظریات کا ثبوت پیش کر دیا۔۔۔ وہ کتنا مبارک زمانہ تھا۔۔۔ کیسی پاکیزہ فکریں تھیں کہ محبوب کریم ﷺ کے فیوض و

برکات کو محدود نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پروردگار عزوجل کا فضل ایسے عقائد کے حاملین، پاکیزہ سوچ رکھنے والوں پر ہوا کہ انہوں نے اس سال کا نام ہی خوشحالی کا سال رکھا آج بھی فضل مولیٰ عزوجل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اپنی فکر و سوچ صحابہ علیہم الرضوان اور بزرگان دین کے نظریات پر ڈھال لینا انتہائی ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فلاح یاب اس گروہ کو قرار دیا جو آپ ﷺ اور صحابہ علیہم الرضوان کے طریقے پر گامزن ہوگا۔

جنتی گروہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي ﴿ترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث 2565﴾

ترجمہ: ”بے شک بنی اسرائیل کے بہتر ﴿72﴾ فرقے ہو گئے تھے اور میری امت کے بہتر ﴿73﴾ فرقے ہو جائیں گے جن میں سے بہتر ﴿72﴾ فرقے دوزخی ہوں گے اور ایک گروہ جنتی ہوگا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک یعنی جنتی گروہ کون سا ہوگا؟ فرمایا جنتی گروہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا“

امام اعظم رحمہ اللہ کا عقیدہ:

صحابہ علیہم الرضوان سے فیض پانے والے ہمارے پیشوا اور سردار سیدنا امام الاعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ بارگاہ رسالت مآب میں عرض گزار ہوتے ہیں:

☆ يَا مَالِكِي كُنْ شَافِعِي فِي فَاَتِي

إِنِّي فَقِيرٌ فِي الرَّيِّ لِعِنَاكَ

ترجمہ: ”اے میرے مالک! آپ ﷺ میری حاجت میں شفیع ہوں میں تمام مخلوق میں آپ ﷺ کے غنا کا فقیر ہوں“

☆ يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرَى

جُدْلِي بِجُودِكَ وَارْضِنِي بِرِضَاكَ

ترجمہ: ”اے جن و انس سے زیادہ کریم ﷺ! اے مخلوق کے خزانے! مجھ پر احسان فرمائیے اور اپنی رضا سے مجھے راضی فرمادیں“

☆ أَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ

لَأَبِي حَنِيفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

ترجمہ: ”میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں اور آپ کے سوا مخلوق میں ابو حنیفہ کا کوئی نہیں“ ﴿قصیدہ نعمانیہ ص 200﴾

امام شافعی رحمہ اللہ کے نظریات:

امام شافعی رحمہ اللہ کی ذات تعریف کی محتاج نہیں۔ کئی محدثین آپ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں جنہوں نے آپ کی نور بصیرت پر اعتماد کیا اور قرآن و حدیث سے جو مسائل آپ رحمہ اللہ نے مستنبط فرمائے، انہی پر ان کا عمل رہا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نور الابصار میں تحریر فرماتے ہیں کہ **امام شافعی رحمہ اللہ نے دس سال کی عمر میں فن حدیث کی سب سے پہلی کتاب موطا امام مالک حفظ فرمائی جس میں ایک ہزار سات سو بتیس (1732) احادیث طیبہ ہیں۔**

امام شافعی رحمہ اللہ کے جنازے میں شریک ہونے والے مرد صالح کا بیان ہے کہ جب جنازہ پڑھا جا چکا تو غیب سے ندا آئی!

إِنَّ اللَّهَ غَفَرَ لِكُلِّ مَنْ صَلَّى عَلَى الشَّافِعِيِّ بِالشَّافِعِيِّ رَحْمَةً اللَّهُ عَلَيْهِ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کے صدقے جنازہ میں شامل ہونے والوں کو بخش دیا“

امام شافعی رحمہ اللہ کو جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تو امام اعظم کے مزار مبارک پر حاضری دیتے۔ مزید یہ کہ امام شافعی فرماتے ہیں:

قَبْرُ الْإِمَامِ مُوسَى تَرِيقٌ مُجَرَّبٌ لِجَابَةِ الدُّعَاءِ ﴿حاشیہ مشکوٰۃ﴾

یعنی: ”امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی قبر مبارک دعا کی قبولیت کے لئے تریاقِ مجرب ہے“ ۱۔

سبحان اللہ! اللہ عزوجل کے مقبولین سے التجا کرنا، سوال کرنا، انہیں وسیلہ بنانا اور انسیت رکھنا، صراطِ مستقیم پر گامزن پیشواؤں کا طریقہ ہے۔

امام الحدیث کا عقیدہ:

حدیث کے امام ابن حبان رحمہ اللہ سن وصال: 354ھ ﴿فرماتے ہیں:

”جب میں فکر و تشویش میں مبتلا ہو جاتا اور مشکلات و پریشانیاں مجھے گھیر لیتی **فَزُرْتُ قَبْرَ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا صَلَوَاتُ**

اللَّهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ یعنی میں امام علی بن موسیٰ رضا کے مزار پر حاضر ہوتا (سبحان اللہ! وقت کے امام الحدیث مشکلات سے نجات کے

لئے صالحین سے وابستگی کا درس دے رہے ہیں چنانچہ) فرماتے ہیں **هَذَا شَيْءٌ جَرَّبْتُهُ مَرَارًا فَوَجَدْتُهُ كَذَلِكَ** یعنی یہ بات

آزمودہ ہے کہ میری مشکلات امام علی رضا کے مزار پر حاضر ہونے کی برکت سے دور ہوئیں۔“ ﴿ملاحظہ ہو: کتاب الثقات﴾

۱۔ اللہ تعالیٰ سب کو بغدادِ معلیٰ کی حاضری نصیب فرمائے۔ اے کاش! قبلہ اول بیت المقدس اور بغداد شریف غیروں سے آزاد ہو جائے۔ بغداد شریف

میں ایک جسر (پل) کا نام جسر الامامین ہے ایک طرف سیدہا امام اعظم رحمہ اللہ اور دوسری طرف امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ ہیں۔

فیضانِ مزارِ امام بخاری علیہ الرحمۃ:

شرح بخاری علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری میں نقل فرماتے ہیں:

سن 464ھ سمرقند کے لوگ قحط کے سبب مشکلات سے دوچار ہوئے

فَاتَى رَجُلٌ صَالِحٌ مَعْرُوفٌ بِالصَّلَاحِ إِلَى قَاضِيٍّ سَمَرَ قَنْدَ قَالَ لَهُ إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رُؤْيَا أَعْرِضُهُ عَلَيْكَ قَالَ وَمَا هُوَ، أَرَى أَنْ تَخْرُجَ وَتَخْرُجَ النَّاسُ مَعَكَ إِلَى قَبْرِ الْإِمَامِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيِّ یعنی ایک نیک شخص سمرقند کے قاضی کے پاس آیا اور اپنا خواب بیان کیا کہ آپ لوگوں سمیت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف رواں دواں ہیں“

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”قاضی نے جب یہ خواب سنا تو کہا نِعَمَ مَا رَأَيْتَ یعنی تو نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ (اس زمانے کے قاضی اور لوگ دین سے زیادہ قریب ہونے کی بنا پر صحیح عقائد اور پاکیزہ سوچ کے مالک تھے) چنانچہ قاضی کے ساتھ وہاں کے لوگوں نے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دی اور اس عمل کی بنا پر سات دن بارش ہوئی اور قحط سالی سے نجات حاصل ہوئی“

عنایتِ مصطفیٰ ﷺ:

فتح الباری شرح بخاری کے مصنف شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

قَالَ بَشْرُ بْنُ الْحَكَمِ النَّيْسَابُورِيُّ حَضَرَ فِي جَنَازَةِ يَحْيَى بْنِ يَحْيَى مِائَةَ أَلْفِ إِنْسَانٍ وَقَالَ الْحَاكِمُ سَمِعْتُ أَبَا عَلِيٍّ النَّيْسَابُورِيَّ يَقُولُ كُنْتُ فِي غَمٍّ شَدِيدٍ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّهُ يَقُولُ لِي صِرْ إِلَى قَبْرِ يَحْيَى بْنِ يَحْيَى وَاسْتَغْفِرْ وَسَلِّ تَغْنِ حَاجَتَكَ فَاصْبَحْتُ فَعَلْتُ ذَلِكَ فَضِيتُ حَاجَتِي

یعنی: ”حضرت بشر بن حکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں ایک لاکھ افراد شامل تھے حضرت حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک سخت ترین پریشانی میں مبتلا ہوا تو محبوبِ کریم ﷺ کا خواب میں جلوہ دیکھا گویا کہ محبوبِ کریم ﷺ کا ارشادِ عالی شان یہ تھا کہ یحییٰ بن یحییٰ کی قبر پر جاؤ اور استغفار کرو اور سوال کرو تمہاری حاجت پوری کی جائے گی پس صبح میں نے حضرت یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور اس کی برکت سے میری مشکل آسان ہو گئی“

اس روایت کو تحریر فرمانے والے بزرگ کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فنا فی الرسول کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی تفسیر جلالین درسِ نظامی (عالم کورس) کے نصاب میں شامل ہے۔ دو لاکھ حدیثیں آپ کو یاد

تھیں۔ آپ جب آب زم زم پیتے تو حدیث پاک کے فہم کیلئے ابن حجر علیہ الرحمۃ کی مثل ہونے کی دعا فرماتے۔
قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ صالحین جب دنیا سے رخصت ہو رہے ہوتے ہیں تو انہیں اس اعزاز سے نوازا جاتا ہے:

ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً ﴿سورة الفجر : 28﴾

ترجمہ کنز الایمان: ”اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی“

گویا یہ کہا جاتا ہے کہ عارضی اور فانی دنیا (پردیس) سے ہمیشہ کی قیام گاہ (اپنے دیس) کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ رضائے خداوندی کا تو حق دار ہو چکا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً کا مرثدہ پانے سے قبل پردیس میں رہتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کی دور سے پکار کو بچائے پروردگار سن کر باذن اللہ اپنا دستِ باکرامت دعا کیلئے اٹھادیا کرتے تھے۔ اب تو اپنے دیس میں رب عزوجل کے قرب خاص میں رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً کا مرتبہ اور مقام پانے کے بعد کیونکر اپنے عقیدت مندوں کو رد کر دیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ط بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿سورة البقرة : 154﴾

ترجمہ کنز الایمان: ”اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔۔۔۔۔ ہاں تمہیں خبر نہیں“

پیارے بھائیو! ایک جہاد میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابل ہوتا ہے اس مبارک جہاد میں شامل خوش بخت تلوار وغیرہ کی زد کے ذریعے جب جامِ شہادت نوش کرے تو اسے زندہ کہا جائے گا جبکہ ایک مجاہد وہ ہے جس خوش نصیب کے بارے میں حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا **الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ** ”مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے“۔ واضح رہے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ مِّنْ بِالسُّوءِ ﴿سورة يوسف 53﴾

ترجمہ کنز الایمان: ”بے شک نفس برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے“

یہ کتنا عظیم مجاہد ہے جو ہر وقت جہاد میں مصروف۔۔۔۔۔ نفس و شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذات کو برائیوں سے بچا کر تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہوئے فضلِ مولیٰ عزوجل سے **فَنَافِي اللَّهِ كَادِرْجِه پانے کے بعد بلاخر عشقِ الہی عزوجل کی تلوار کے سائے میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس پیارے مجاہد کی حیات میں کیا تردد ہو سکتا ہے؟**

مفسرین کے عقائد و نظریات:

☆ صاحب تفسیر مظهری حیات الصالحین کے ثبوت کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَوَاتَرَ عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الْأُولِيَاءِ إِنَّهُمْ يَنْصُرُونَ أَوْلِيَائِهِمْ

یعنی : ”ہزاروں واقعات عظمتِ اولیاء کے ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کالمین اپنے چاہنے والوں کی مدد کرتے ہیں“

☆ عالم اسلام کی معروف ترین تفسیر کبیر میں ہے:

أُولِيَاءُ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ وَلَكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ

یعنی : ”اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں“

اللہ عزوجل کا کرم اور اس کی رحمت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حقائق اس طور پر ظاہر فرما دیتا ہے جس سے ایمان کو تقویت اور عقیدے کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

☆ روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمۃ فَاَلْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا کے تحت ایمان افروز کلام

تحریر فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي التَّوَقُّفُ فِي أَنَّ اللَّهَ قَدْ يُكْرِمُ مَنْ شَاءَ مِنْ أَوْلِيَائِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا يُكْرِمُهُ قَبْلَهُ بِمَا شَاءَ فَيُبْرِئُ سُبْحَانَهُ الْمَرِيضَ وَيَنْقُذُ الْغَرِيقَ وَيَنْصُرُ عَلَى الْعَدُوِّ وَيَنْزِلُ الْغَيْثَ وَكَيْتَ وَكَيْتَ كَرَامَةً لَهُ ﴿تفسیر روح المعانی

ج 30 ص 25﴾

یعنی ”اس امر میں توقف و تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو وصال کے بعد بھی کرامتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ حالت حیات میں پس کبھی مریض کو ان کے ہاتھ پر بطور کرامت شفا بخشتا ہے کبھی کسی کو غرق ہونے سے بچاتا ہے، کبھی دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے تو کبھی ان کے عرض کرنے پر بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ“

قبر سے کستوری کی خوشبو:

قطبِ زماں سیدی ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان حسنی جزولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 807ھ میں سوس اقصیٰ (مراکش) میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنی سادات میں سے تھے، کچھ عرصے وطن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد فاس چلے گئے اور مدرسۃ الصفارین میں داخل ہو گئے حضرت علامہ محمد مہدی فاسی رحمۃ اللہ علیہ ﴿سن وصال: 1052ھ﴾ نے آپ کے تفصیلی حالات تحریر فرمائے جن میں سے چند نکات پیش خدمت ہیں:

صَاحِبُ دَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ ﷺ، دَخَلَ الْخُلُوةَ لِلْعِبَادَةِ نَحْوِ أَرْبَعَةِ عَشَرَ عَامًا، ثُمَّ خَرَجَ لِلانْتِفَاعِ بِهِ، فَأَخَذَ فِي تَرْبِيَةِ الْمُرِيدِينَ، وَتَابَ عَلَى يَدِهِ خَلْقٌ كَثِيرٌ، وَانْتَشَرَ ذِكْرُهُ فِي الْأَفَاقِ، وَظَهَرَتْ لَهُ خَوَارِقُ الْعُظْمَى وَمِنْ كَرَامَاتِهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ بِسَبْعٍ وَسَبْعِينَ سَنَةً نَقِلُوهُ مِنْ قَبْرِهِ فِي بِلَادِ الشُّوسِ إِلَى مَرَاكِشَ، فَوَجَدُوهُ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ دَفِنٍ، وَلَمْ يَغْيَرْ طُولُ الزَّمَانِ مِنْ أَحْوَالِهِ شَيْئًا وَآثَرُ الْخَلْقِ مِنْ شَعْرِ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ ظَاهِرٌ كَحَالِهِ يَوْمَ مَوْتِهِ، إِذْ كَانَ

قَرِيبَ عَهْدٍ مِّنَ الْخَلْقِ وَوَضَعَ بَعْضُ الْحَاضِرِينَ أَصْبَعَهُ عَلَى وَجْهِهِ حَاسِرًا مِّنْهَا، فَحَسَرَ الدَّمُ عَمَّا تَحْتَهَا، فَلَمَّا رَفَعَ أَصْبَعَهُ رَجَعَ الدَّمُ، كَمَا يَقَعُ ذَلِكَ فِي الْحَيِّ وَقَبْرُهُ بِمَرَاكَشَ عَلَيْهِ جَلَالَةُ عَظِيمَةِ وَالنَّاسُ يَزِدُّونَ عَلَيْهِ وَيُكْثِرُونَ مِنْ قِرَاءَةِ دَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ عِنْدَهُ . وَثَبَّتَ أَنَّ رَائِحَةَ الْمِسْكِ تُوجَدُ مِنْ قَبْرِهِ مِنْ كَثَرَةِ صَلَوَاتِهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .

یعنی: ”مصنف دلائل الخیرات چودہ سال تک خلوت نشینی اختیار کر کے عبادت و ریاضت اور منازل سلوک طے کرنے میں مصروف رہے۔ پھر خلق خدا کی راہنمائی اور مریدین کی تربیت کا کام شروع کیا۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ کا چرچہ دور دراز تک پہنچا۔ حیرت انگیز خوارق اور بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئی اور ان کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے وصال کے 77 سال بعد آپ کے جسدِ خاکی کو سوس سے مراکش منتقل کیا گیا تو آپ کو ایسے ہی پایا گیا گویا کہ آج ہی دفن کئے گئے ہوں اور طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وصال سے پہلے آپ نے حجامت بنوائی تھی اس کا اثر بدستور موجود تھا۔ ایک شخص نے آپ کے چہرے پر انگلی رکھی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس جگہ سے خون ہٹ گیا اور جب انگلی اٹھائی تو پھر اپنی جگہ لوٹ آیا جیسے کہ زندوں میں ہوتا ہے۔ مراکش میں آپ کے مزارِ اقدس پر عظیم ہیبت و جلالت پائی جاتی ہے۔ لوگ بڑی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور دلائل الخیرات پڑھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بکثرت درود و سلام پیش کرنے کی برکت سے آپ کی قبر انور سے کستوری کی خوشبو آتی ہے“

آپ کی شہرہ آفاق کتاب دلائل الخیرات کا پورا نام **دَلَائِلُ الْخَيْرَاتِ وَشَوَارِقُ الْأَنْوَارِ فِي ذِكْرِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ** ہے۔

حضرت علامہ محمد مہدی الفاسی علیہ الرحمۃ ﴿سن وصال: 1052ھ﴾ **مطالع المسرات** میں لکھتے ہیں:

”یہ کتاب حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پر مشتمل ہے اور آيَةُ مِّنْ آيَاتِ اللَّهِ ﷻ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ﷻ ہے مشرق و مغرب اور خاص طور پر روم کے شہروں میں باقاعدگی سے پڑھی جاتی ہے“

آپ ﷺ کی بارگاہ رسالت ﷺ میں جس عقیدت اور محبت سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ان کے چند نظائر یہ ہیں:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى الْمُوصُوفِ بِالْكَرَمِ وَالْجُودِ

ترجمہ: ”اے اللہ اس ذاتِ اقدس پر رحمت نازل فرما جو جو دو کرم سے متصف ہیں“

سَيِّدُنَا كَاشِفُ الْكُرْبِ

ترجمہ: ”ہمارے آقا ﷺ مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں“

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى كَاشِفِ الْغَمِّ

ترجمہ: ”اے اللہ درود بھیج! غم کے دور کرنے والے پر“

واضح رہے کہ صاحب دلائل الخیرات اپنے پیر و مرشد شیخ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔۔۔ درود و سلام کی کثرت اور صالحین سے الفت اور محبت رکھنے والوں پر خصوصی کرم ہوتا ہے۔ **حضور کو بعطائے پروردگار مشکل کشا جاننے والے صاحب دلائل الخیرات سیدی محمد بن سلیمان جزولی** رحمۃ اللہ علیہ 16 ربیع الاول 870ھ کو بمقام آفرغال نماز فجر میں اس طرح دنیا سے کوچ ہوئے کہ سجدہ ریز تھے۔ معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین سے محبت رکھتا ہے وہ اس طرح دنیا سے رخصت ہوتا ہے کہ اس کے لبوں پر رب تعالیٰ کا نام جاری و ساری ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جسدِ خاکی تبلیغ دین و تقانیت مذہب کی علامت اختیار کر جاتا ہے۔

بفضل اللہ صالحین سے محبت کی برکت:

سیدی و سندی شیخ الحدیث مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ کا وصال شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ میں 59 برس کی عمر میں ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے پر نور کی بارش کا منظر دیکھ کر کئی لوگ صالحین سے دوری پر تائب ہوئے اور حضور غوثِ پاک ﷺ کی عظمت کے قائل ہو گئے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضور غوثِ اعظم ﷺ سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور آپ ہمیشہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ منقبت ”**واہ کیا مرتبہ ہے غوث بالا تیرا**“ ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔

الحمد للہ چند ماہ اس واقعے کی تصدیق راقم الحروف نے سردار آباد (فیصل آباد) جا کر ایک معمر بزرگ سے خود کی جو خود جنازے میں شامل تھے۔ ویسے بھی یہ خبر کئی اخباروں میں چھپی کہ پاکستان کی تاریخ کا انوکھا واقعہ تھا کہ جنازے پر نور کی ایسی انوکھی کرنیں تھیں جس نے کئی لوگوں کے قلوب کو روشن اور منور کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سیدی محمد بن سلیمان جزوی رحمۃ اللہ علیہ اور محدثِ اعظم کے صدقے شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ فرمائے اور ہمیں بھی ایسی عظیم الشان موت عطا فرمائے۔ امین بجاہ النبی الکریم ﷺ

محدث مکة المكرمة سیدی علی فاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المرفقة شرح مشکوٰۃ باب

الجمعة فصل الثالث میں تحریر فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ لَهُمْ فِي الْحَالَيْنِ وَلِذَا قِيلَ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ وَلَكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ

یعنی: ”اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات و ممات) میں اصلاً فرق نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں“

داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے عقائد و نظریات:

شیخ ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے وصال کو ساڑھے نو سو (950) سال سے زائد عرصہ

گزر گیا، آپ ﷺ کے فیوض و برکات ٹھاٹھے مارتے ہوئے سمندروں کی طرح رواں دواں ہیں۔ آپ کے مزار پر انوار پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے جو تلاوتِ کلام اور ذکر اللہ کے ذریعے خوب فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

ہند کے بادشاہ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ (جنہوں نے ایک محتاط اندازے کے مطابق نوے (90) لاکھ سے زائد افراد کو مسلمان کیا) فیض حاصل کرنے آپ کے دربار میں حاضر ہوئے اور جب باذن پروردگار داتا علی ہجویری نے آپ ﷺ کی روحانی مدد فرمائی تو آپ علیہ الرحمۃ جھوم اٹھے اور اپنے محسن کی تعریف کو یوں بیان کیا:

گنج بخش عالم فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

یقیناً جن کے قلوب نور و عرفان سے منور ہوتے ہیں، جنہوں نے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا اور اس پر استقامت سے عمل پیرا ہو کر قربِ الہی کی نعمتِ عظمیٰ پا گئے۔۔۔ وہ اتنا تو علم رکھتے ہیں کہ ”گنج بخش“ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن پھر بھی ان کا حضرت علی بن عثمان ہجویری کو گنج بخش فرمانا عظیم ترین تبلیغ کا ذریعہ بن گیا۔ گویا آپ نے مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو محدود نہ سمجھنا کہ وہ اپنے پیاروں کے اختیارات کو وصال کے بعد سلب فرما لیتا ہے۔ ہرگز! ایسا نہیں!! بلکہ وہ صالحین کو اپنی قدرت و طاقت سے گنج بخش (خزانہ بخشنے والا) بنادیتا ہے اور ان کا فیضان جاری فرما دیتا ہے۔

داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ اپنی شہرہ آفاق تصنیف **کشف المحجوب** میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت ابو العباس مہدی سیاری مرو کے کھاتے پیتے خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ باپ کے فوت ہونے پر آپ کو وراثت میں بہت زیادہ دولت ملی تھی۔ آپ کو پتہ چلا کہ فلاں کے پاس رحمتِ عالم نورِ مجسم شفیعِ دو عالم حبیبِ مکرم اکے دو موئے مبارک ہیں۔ آپ نے وہ ہدیہ حاصل فرمالئے۔ ان موئے مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق عطا کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ولی بنالیا۔ پھر آپ نے یعنی خواجہ مہدی سیاری نے حضرت ابو بکر واسطی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کی خدمت میں رہ کر وہ مقام پایا کہ اولیاء کرام کے ایک گروہ کے امام بن گئے اور پھر جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ یہ دونوں بال مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ان کا مزار مبارک مرو میں مشہور ہے۔ چنانچہ سرکار داتا گنج بخش قدس سرہ **کشف المحجوب** میں لکھتے ہیں:

و امروز گور او بہر و ظاہر است مرد ماں بحاجت خواستن آنجا شوند و مہمات از آنجا طلبند و

مغرب است (کشف المحجوب، ص 143)

یعنی : ”مہدی سیاری کا مزار شریف مرو میں مشہور ہے۔ لوگ وہاں اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی مہمات (حاجتیں) طلب کرتے ہیں ان کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور یہ مجرب ہے“

ثابت ہوا کہ شاہ کونین رحمۃ اللہ علیہ کے بال مبارک کی بے شمار برکتیں ہیں، بال مبارک کی برکت سے ایک عام شخص کو ولایت ملی بلکہ ولیوں کے سردار بنے اور بال مبارک کے ذریعے سے لوگوں کی حاجتیں بھی پوری ہوتی ہیں۔

پیارے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یعنی موئے مبارک کی تعظیم نے سید ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کو بفضل اللہ عزوجل مشکل کشا بنا دیا یقیناً اللہ تعالیٰ سوال کرنے والوں کے سوال کو پورا کرتا ہے۔ اس کی مرضی اور مشیت ہے کہ اس نے اپنے پیاروں کی طرف لوگوں کے قلوب کو مائل کر دیا ہے تاکہ ان محبوبوں کی عظمت مزید لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو جائے چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا صَيَّرَ حَوَائِجَ النَّاسِ إِلَيْهِ ﴿جامع الصغير﴾

ترجمہ: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نوازنا چاہتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں اس کی طرف پھیر دیتا ہے“

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کا کرم اپنے پیاروں پر کس قدر ہے کہ لوگوں کی حاجتیں ان سے پوری کرواتا ہے اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

مجھے ایک مشکل درپیش ہوئی جو بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار

پر حاضری کی برکت سے دور ہوئی ﴿کشف المحجوب﴾

روشن مینار:

امام غزالی علیہ الرحمۃ وہ مسلمہ شخصیت ہیں جو علم و عرفان کے نور سے اس طور پر منور ہوئی کہ لا تعداد اور ان گنت کوروشی کی سچی راہ پر گامزن کر دیا۔ اپنے اور بیگانے سبھی جن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ کئی انگریز اسلام کی حقانیت کے قائل ہونے کا سبب آپ علیہ الرحمۃ کی ذات کو قرار دیتے ہیں چنانچہ ایک امریکی *Philosopher* (فلسفی) نے کہا کہ:

"I don't know about Islam but I am impressed that Ghazali is muslim"

یعنی ”میں اسلام کے بارے میں (کچھ) نہیں جانتا ہوں لیکن میں متاثر ہوں کہ غزالی مسلمان ہیں“

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کئی کتب انگریزی میں *translate* (ترجمہ) ہوئیں قرآن و حدیث کے پیغام کو امت تک پہنچانے میں نمایاں

کردار کے حامل ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے:

مَنْ يُسْتَمَدُّ بِهِ حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ بِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ ﴿شرح مشکوٰۃ﴾

یعنی: ”جس کسی سے اس کی زندگی میں مدد مانگ سکتے ہیں اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد مانگ سکتے ہیں“

جلوہ شان قدرت:

حضور ﷺ کا فیض اللہ عزوجل کی قدرت و طاقت سے مقرران بارگاہ میں منتقل ہوا ان ہی فیض یافتہ میں ایک نام پیران پیر روشن ضمیر حضور غوث اعظم ﷺ کا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ اسْتَعَاثَ بِي فِي كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَ

مَنْ نَادَانِي بِاسْمِي فِي شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ

ترجمہ: ”جو شخص کسی تکلیف میں میرے وسیلے سے امداد کی درخواست کرے اس کی وہ تکلیف دور کر دی جائے گی اور جو کسی مصیبت میں میرا نام پکارے اس کی مصیبت دور کر دی جائے گی“ ﴿بہجۃ الاسرار۔ ص 102﴾

حضور غوث پاک ﷺ کے اس قول مبارک کو بیان فرمانے والے بزرگ کا نام امام ابو الحسن نور الدین علی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حضور غوث پاک ﷺ سے آپ کا تعلق صرف دو واسطوں سے یعنی انتہائی قریبی ہے۔ علماء اور صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ علیہ الرحمۃ سے فیض حاصل کیا ہے چنانچہ محدث مدینہ، منورہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

بَهْجَةُ الْأَسْرَارِ كِتَابٌ عَظِيمٌ شَرِيفٌ شَهِيرٌ ، مُصَنَّفُهُ عَالِمٌ مَعْرُوفٌ
مِنْ عُلَمَاءِ الْقِرَاءَةِ وَتَرْجَمَتُهُ
مَسْطُورَةٌ فِي الْكُتُبِ الْأَمَامِ شَمْسُ الدِّينِ الذَّهَبِيُّ الَّذِي أَحَاطَ الْأَفَاقَ تَبَحُّرُهُ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ وَأَسْمَاءِ الرِّجَالِ
حَضَرَ مَجْلِسَ دَرْسِهِ وَكَتَبَ مَدَائِحَهُ فِي كِتَابِهِ طَبَقَاتِ الْمُقَرَّرِينَ، وَالْإِمَامُ الْمُحَدِّثُ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَزْرِيُّ
مُصَنِّفُ الْحَصَنِ الْحَصِينِ مِنْ سَلْسَلَةِ تِلَاْمَذَةِ، قَرَأَ الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بِهَجَّةِ الْأَسْرَارِ عَلَى شَيْخِهِ وَحَصَلَ عَلَى
سَنَدِهِ وَإِجَازَتِهِ

یعنی: ”یہ کتاب ”بہجۃ الاسرار“ کتاب عظیم شریف اور مشہور ہے اور اس کے مصنف علماء قراءۃ عالم معروف و مشہور اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور و مسطور ہیں۔ امام شمس الدین ذہبی (علم حدیث اور اسماء الرجال میں جن کی جلالتِ شان عالم آشکارا ہے) صاحب بہجۃ الاسرار امام ابو الحسن نور الدین علی ﷺ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب ”طبقات المقرنین“ میں ان کے مدائح لکھے، امام محدث محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ مصنف حصن حصین اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے یہ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند اجازت حاصل کی“

سبحان اللہ! حضور غوث پاک ﷺ کے مذکورہ ارشاد کو نقل فرمانے والے ولی کامل صالحین اور کالمین کی نظر میں اس عظیم رتبہ کے

مالک ہیں کہ امام الحدیث علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنا پیشوا مانتے ہیں امام محدث جزری جیسی عظیم شخصیت نے آپ کی شاگردی اختیار کر کے فیض پایا۔ واضح رہے کہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے احادیث طیبہ کے فیضان کو عام کیا اور اپنے عظیم ترین دینی کارناموں کی بنا پر محققین اور صالحین کی نظروں میں معزز ترین ہیں۔

حضور غوث پاک ﷺ کے ارشاد پر غور فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں ”جو میرا وسیلہ پیش کرے یا مجھے پکارے دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ نکلا کہ ”اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت پوری فرمادے گا۔“ سبحان اللہ! حضور غوث اعظم دتگیر ﷺ کا کتنا پیارا اور جامع ارشاد ہے جو اسلامی قاعدے کو واضح کر رہا ہے کہ ”مجھے مدد کیلئے پکارنا درحقیقت مجھے وسیلہ ہی بنانا ہے۔“

شفاء السقام کے حوالے سے یہی اصول (یعنی انبیاء و صالحین سے مدد طلب کرنا درحقیقت انہیں وسیلہ ہی بنانا ہے) پہلے گزر چکا ہے۔ مزید سید محمد بن علوی مالکی صاحب تحریر کرتے ہیں:

يَعْلَمُ كُلُّ أَحَدٍ أَنَّ الْمُوَحِّدَ إِذَا طَلَبَ شَيْئًا مِنْ ذَوِي الْجَاهِ عِنْدَ اللَّهِ فَلَا يُرِيدُ مِنْهُمْ أَنْ يَخْلُقُوا شَيْئًا وَلَا هُوَ مُعْتَقِدٌ فِيهِمْ شَيْئًا مِّنْ ذَلِكَ وَإِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَتَسَبَّبُوا لَهُ بِمَا أَقْدَرَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ مِنْ دُعَاءٍ وَمَا شَاءَ اللَّهُ مَنْ تَصَرَّفَ

ترجمہ:

”مسلمان یہ بات خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ و عند اللہ مرتبہ والے سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس چیز کو پیدا کرے اور نہ ہی ان کے بارے میں خالق ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو دعا و تصرف وغیرہ کی قوت عطا کی ہے اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مطلوب کے حصول کا ذریعہ بنے“

علامہ ابن الحاج کا عقیدہ:

سیدی ابو عبد اللہ محمد بن محمد المعروف بابن الحاج علیہ الرحمۃ (سن وصال: 737ھ) اپنی تصنیف المدخل میں لکھتے ہیں:

إِنَّ بَرَكَاتِ الصَّالِحِينَ جَارِيَةٌ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ كَمَا كَانَتْ فِي حَيَاتِهِمْ

﴿مِنْ عَقَائِدِ أَهْلِ سُنَّةٍ لِلْعَلَامَةِ عَبْدِ الْحَكِيمِ شَرَفِ الْقَادِرِيِّ﴾

یعنی: ”اولیاء کرام کی برکت ان کی (ظاہری) زندگی کی طرح وصال کے بعد بھی جاری ہے“

پیر کامل کی روحانی طاقت:

امام ابو عبد اللہ لؤہاب شعرانی علیہ الرحمۃ (سن وصال: 973ھ) شیخ موسیٰ ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ

کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ إِذَا نَادَاهُ مُرِيدُهُ أَجَابَهُ مِنْ مَسِيرَةٍ سَنَةٍ أَوْ أَكْثَرَ ﴿توضیح البیان﴾

یعنی: ”شیخ موسیٰ ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ کے مرید جب آپ کو ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتے تو آپ اس کی پکار کا جواب دیتے تھے“

محدث مدینہ، طیبہ:

ہمارے محسن، امت کے پیشوا، فیضانِ حدیث خیر الانام رحمۃ اللہ علیہ محقق و مدبر فقیہ و مفکر۔۔۔ وہ مبارک شخصیت ہیں جن کے ذریعے بر صغیر میں بخاری و مسلم، ابن ماجہ و ترمذی، ابوداؤد و نسائی شریف کا فیض پہنچا اس بلند پایہ ذی مرتبت شخصیت کا نام نامی اسم گرامی **شیخ محقق علی الاطلاق عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ** ہے۔

بر صغیر کے مسلمانوں کی خوش بختی:

مدینہ طیبہ کے مشہور محدث **الشیخ محمد قضاوی مصری** علیہ الرحمۃ نے مسجد نبوی شریف میں درسِ حدیث کی دعوت پیش کی اور خصوصی نظر فرمائی **شیخ عبد الحق محدث** فرماتے ہیں اس سے پہلے بھی یہ مبارک پیش کش دوسرے بزرگوں سے ہو چکی تھی لیکن میں محض رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر عذر پیش کرتا لیکن اس بار **شیخ قضاوی** علیہ الرحمۃ کی عظمت کی بناء اس پر دعوت کو قبول کر لیا اور مسجد نبوی شریف میں درسِ حدیث کا آغاز کیا۔ منقول ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ پر اللہ تعالیٰ کا وہ خاص فضل تھا جس کی بناء پر آپ کو روزانہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ بالآخر بر صغیر کے لوگوں کی قسمت جاگ اٹھی اور آپ نے فیضانِ حدیث کو جاری کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے رختِ سفر باندھنے کا ارادہ فرمایا۔

شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے **قطب مکہ المکرمة شیخ عبد الوہاب متقی** علیہ الرحمۃ سے فیض حاصل کیا چنانچہ اپنے شیخ کے حالات ”**زَادَ الْمُتَقِينَ فِي سُلُوكِ طَرِيقِ الْيَقِينِ**“ میں تحریر فرمائے ہیں جس کا مطالعہ باطن کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔

اجازت صحاح ستہ:

عارف باللہ شیخ **عبد الوہاب متقی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ محقق کو اجازتِ احادیثِ طیبہ عطا فرمائیں چنانچہ شیخ اپنی تصنیف **زاد المتقين** میں تحریر کرتے ہیں کہ رخصت ہونے سے قبل حضرت الشیخ نے خلافت بھی عطا فرمائی۔ اللہ اکبر! یہ خلافت شیخ عبد الوہاب کو **شیخ علی متقی** سے ملی ہے جنہوں نے چھیالیس (46) حج کئے اور اپنی صدی کے سب سے بڑے محدث اور حدیث کی مشہور کتاب **کنز العمال** کے مصنف ہیں۔

شیخ محقق علی الاطلاق **مکة المکرمة اور مدینة المنورة** سے انوار و تجلیات اپنے سینے میں بسا کر لوگوں کے قلوب منور کرنے کے لئے ہندوستان پہنچے اور حدیثِ پاک کے فیض کو عام کیا گویا آپ علیہ الرحمۃ بر صغیر کے مسلمانوں کے لئے فیضانِ بخاری و

مسلم ہیں کیونکہ گزشتہ چار سو برس سے برصغیر میں کوئی ایسا محدث نہیں ہوگا جس نے بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ سے فیض نہ پایا ہو۔

محدث مدینہ، منورہ کے عقائد و نظریات:

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مشائخ عظام کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں
 ”حضور شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث پاک) رحمہ اللہ جس طرح اپنی زندگی میں تصرف فرماتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا سے دور سے پکار سننا اور عقیدتمندوں کی مدد فرمانا) اسی طرح اپنی قبر میں تصرف کرتے ہیں۔ نیز شیخ محقق نے دیگر بزرگان دین کا ذکر کیا جو بعد از وصال تصرف فرماتے ہیں حتیٰ کہ سید احمد بن مرزوق علیہ الرحمۃ جو کہ دیارِ مغرب کے مشائخ اور فقہاء سے ہیں ان کی رائے شیخ محقق نے اس طرح تحریر فرمائی کہ وہ زندہ کے مقابلے میں وصال فرمانے والے بزرگ کی امداد کو زیادہ قوی قرار دیتے ہیں“ ﴿ملاحظہ ہو شرح مشکوٰۃ شریف﴾

☆ شیخ محقق اپنے شیخ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

پیر (کامل) اپنے مرید کی مشکلات کے وقت مدد کرتا ہے سَوَاءَ كَانَ الشَّيْخُ حَاضِرًا أَوْ غَائِبًا حَيًّا أَوْ مَيِّتًا يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا قَالَ الشَّيْخُ الْمَعَارِفُ بِاللَّهِ عَلَى بْنِ حُسَّامِ الدِّينِ الْمُتَّقِي أَسْكَنَهُ اللَّهُ بِحُبُوحَةِ جَنَّتِهِ وَتَعَمُّدِهِ بِلُطْفِهِ وَرَحْمَتِهِ يَا عَبْدَ الْوَهَّابِ إِذَا أَشْغَلَ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنَ الْوَاقِعَاتِ وَالْوَارِدَاتِ فَأَعْرِضْهَا عَلَى بَقْلَبِكَ وَاسْتَكَشِفْ ذَلِكَ بِاسْتِمْدَادِكَ مِنِّي وَلَوْ بَعْدَ مَوْتِي فَجَرَّبْتُ ذَلِكَ

ترجمہ:

”خواہ شیخ قریب ہو یا بعید زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو اور اس بات کی تائید شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین متقی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے ہوتی ہے (جنہوں نے چھیالیس (46) حج کئے اور امام الحدیث تھے) انہوں نے اپنے مرید عبدالوہاب متقی سے کہا تھا انہوں نے فرمایا اے عبدالوہاب جب تم کو اپنے معمولات اور وظائف میں کوئی مشکل پیش آئے تو تم اپنے دل سے میری طرف متوجہ ہو کر اس کو مجھ پر پیش کرنا اور اس کے حل کیلئے مجھ سے مدد طلب کرنا خواہ میں فوت ہو چکا ہوں۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں میں نے اس بات کا تجربہ کیا اور اس کو درست پایا“

علامہ شامی کا عقیدہ:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھتے ہیں:

مِنَ الْمَشَائِخِ الْكِبَارِ مُجَابُ الدَّعْوَةِ يُسْتَسْقَى بِقَبْرِهٖ مَا ﴿تَوْضِيحُ ت ۲۰۰ ھ﴾

البیان باحوالہ رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۵۴ ﴿

ترجمہ: ”حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ ان عظیم مشائخ میں سے تھے جو مستجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی اور انہوں نے دو صدی ہجری میں وفات پائی“

نوٹ: واضح رہے کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے تحریر کردہ فتاویٰ شامی اس پائے کی تصنیف ہے کہ عرب و عجم میں دورِ حاضر کے مفتیانِ احناف اسی انسائیکلو پیڈیا سے فتویٰ کرتے ہیں۔

شیطان لعین کی بے باکی:

شیطان جب دیکھتا ہے کہ میری کوشش بے کار گئی۔۔۔۔۔ مسلمان اللہ عزوجل کی قدرت اور طاقت کو محدود ماننے کو تیار نہیں۔ اس موقع پر شیطان کی گستاخی کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور ازلی دشمن جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے کہ: اے مسلمانو! تم اللہ والوں سے محبت کرتے ہو، مدد کیلئے انہیں پکارتے ہو تا کہ قربِ الہی کی نعمت پا لو اور اللہ عزوجل سے قریب ہو جاؤ۔ یہ عقیدہ مشرکین کا تھا۔ وہ بھی بتوں کو پوجتے تھے تا کہ یہ بت انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿پارہ 23، سورۃ الزمر، آیت 3﴾ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ

ترجمہ، کنز الایمان: ”کہتے ہیں ہم تو انہیں صرف اتنی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ ہمیں یہ اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔“

اللہ اکبر! قرآن پاک اور جھوٹ کا سہارا!! شیطان جھوٹ کے ذریعے اللہ والوں کی محبت کا روشن چراغ فریب کے جھونکے سے گل کرنے کے درپے ہے۔ خدارا!! سوچیں! غور فرمائیں!! کیا آج کوئی مسلمان اللہ والوں کی عبادت کا قائل ہے؟؟؟ جب کہ مشرکین تو بتوں کو پوجتے تھے۔ جاہل اور نادان مسلمان بھی عبادت کے قائل نہیں اگر یہ بے وقوف مزارات پر سجدہ بھی کرتے ہیں تو محض تعظیم کے لئے اور یقیناً سجدہ تعظیمی ممنوع اور سخت حرام ہے (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) جب کہ مشرکین بتوں کی پوجہ کے قائل تھے اور ویسے بھی اس پوجا کے ذریعے قربِ الہی کے دعوے میں جھوٹے تھے۔

مشرکین کا جھوٹ:

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿پارہ 7، سورۃ الانعام، آیت 108﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

ترجمہ: ”اور ان بتوں کو گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے“

حضرت ابن النور نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ **مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے کفار بھی اللہ عزوجل کو برا کہنے لگے** تو اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ یہ اس آیت کا شان نزول ہے۔ پس مسلمانوں کو سخت نہی کے الفاظ

میں ان پتھروں کے متعلق برا کلمہ کہنے سے روک دیا جن پتھروں کی یہ بت پرست مکہ مکرمہ میں پوجا کرتے تھے کیونکہ یہ بت پرست جن پتھروں کے بارے میں دل کی گہرائیوں سے الہ ہونے کا اور نفع و ضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے ان پتھروں کے متعلق مسلمانوں کے سخت کلمات ان بت پرستوں کے غصہ کا سبب ہوتے تھے۔ پتھروں کی عزت کی وجہ سے جب ان کو غصہ آتا تھا تو اسی کی مثل سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے رب کو برا کہتے تھے حالانکہ وہ رب العالمین ہے اور اللہ عز و جل کو نقائص کے ساتھ مہتمم کرتے تھے جبکہ وہ ذات ہر طرح کے تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

لہذا اگر وہ لوگ اپنے اس دعویٰ قرب الہی عز و جل میں صادق ہوتے تو بتوں کو برا کہنے والوں سے انتقام و بدلہ لینے کی وجہ سے اللہ جل شانہ کو برا کہنے کی جرأت نہ کرتے پس یہ بات بالکل بخوبی واضح ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا مرتبہ و مقام بتوں سے کم تھا۔

مومنین اور مشرکین۔۔۔ بتوں اور صالحین میں برابری کی شیطانی خواہش کبھی پوری

نہیں ہو سکتی کیونکہ

☆ انبیاء و صالحین کے دامن سے وابستگی کا حکم	بتوں سے دور رہنے کا حکم
☆ انبیاء و صالحین سے ہمیشہ جڑے رہنے کا حکم	بتوں کو توڑنے کا حکم
☆ انبیاء و صالحین سے محبت قرب الہی	بتوں کی محبت بعد الہی
☆ انبیاء و صالحین باذن پروردگار مونس و مددگار	بت نہ مونس نہ ہی مددگار

﴿ملاحظہ ہو مقالات امینہ از شیخ الحدیث والفتیر مفتی محمد امین مدظلہ العالی﴾

شیطان کی ناکامی:

الحمد للہ! شیطان اپنے مشن میں ناکام ہوا کہ مشرکین کی حمایت اور تعریف (مشرکین قرب الہی کے طلبگار ہیں) کر کے مسلمانوں کے دلوں سے انبیاء و صالحین کی عظمت نکالنے کی خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی لیکن شیطان آخر شیطان ہی ہے اپنی مکاری کے ذریعے بتوں، مشرکین اور کفار کی مذمت پر مبنی آیات کا مصداق انبیاء و صالحین کو ٹھہراتا ہے یعنی قرآن پاک کی وہ آیات جن میں بتوں کی مذمت ہے (یعنی بت حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہو سکتے) شیطان مردود ان آیات کو انبیاء و صالحین پر FIT (منطبق) کرتا ہے۔ شیطان کا طریقہ واردات انتہائی خطرناک ہے۔ وہ دلیل کے طور پر قرآن پاک کی آیات کا سہارا لیتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں علی الاعلان کہہ دیا گیا۔

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ﴾ پارہ 1، سورۃ البقرۃ، آیت 26 ﴿﴾

”کئی قرآن پڑھنے کے باوجود گمراہ ہو جاتے ہیں“

یعنی:

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ

ترجمہ: ”حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ اس قرآن کے ذریعے کچھ قوموں کو سر بلند کرے گا اور کچھ کو گرا دے گا۔“

گذشتہ کلام کا پس منظر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ توحید کا پرچم بلند کیا اور ایک خدا کی عبادت کی دعوت پیش کی مثلاً قرآن پاک میں حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کا ذکر کیا گیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی فرمایا:

قَالَ يَقُومُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴿پارہ 12، سورہ ہود، آیت 61﴾

ترجمہ: ”کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہیں کوئی معبود نہیں“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت پیش کرتے ہوئے بتوں کی مذمت کی اور اپنی قوم کو بتوں سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالَ افْتَعِبْ دُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿پارہ 17، سورہ الانبیاء، آیت 66﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔“

أَفِ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿پارہ 17، سورہ الانبیاء، آیت 67﴾

ترجمہ، کنز الایمان: تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيُسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿سورہ

الاعراف آیت نمبر 194﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو“

یہ آیت بتوں کی مذمت میں نازل کی گئی ہے۔ بتوں کو عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ کیوں کہا گیا؟ اس بارے میں مفسرین نے محققانہ بحث کی ہے چنانچہ علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ (سن وصال: 668ھ) جن کی تفسیر علمائے امت کے لئے بالاتفاق دلیل و حجت کی حیثیت رکھتی ہے تحریر کرتے ہیں:

وَسُمِّيَتْ الْأَوْثَانُ عِبَادًا لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ لِلَّهِ مُسَخَّرَةٌ. الْحَسَنُ: الْمَعْنَى أَنَّ الْأَصْنَامَ مَخْلُوقَةٌ أَمْثَالُكُمْ

﴿تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۳۰۰﴾

یعنی ”علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے بتوں کو عباد کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اس کے مملوک اور تمہاری طرح پیدا شدہ ہیں“ یعنی ہر پیدا شدہ چیز پر عباد کا اطلاق کیا جانا درست ہے“

فخر المفسرین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ (سن وصال: 606ھ) نے یہاں بڑی عمدہ بحث کی ہے کہ بتوں کو عِبَادُ امَثَالُکُمْ (تمہارے جیسے بندے) کیوں کہا گیا؟ ﴿تفصیل ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج 5، ص 431، مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت۔ لبنان﴾

مزید یہ ہے کہ آیت سے متصل کلام نے مشرکین کے ہوش اڑادیے گویا کہ کہا یہ جارہا ہے کہ اے مشرکین نادانو! یہ بت تو تم سے بھی گئے گزرے ہیں جو پکڑنے، چلنے اور سننے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلْهَمُّ اَرْجُلٌ يَّمْشُونَ بِهَا اَمْ لَّهُمْ اَيْدٍ يَّطِشُونَ بِهَا اَمْ لَّهُمْ اَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا اَمْ لَّهُمْ اُذُنٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

﴿سورة الاعراف آیت نمبر ۱۹۵﴾

ترجمہ، کنز الایمان: ”کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔“

قرآن پاک میں مشرکین کو جھنجھوڑتے ہوئے یہاں تک فرمادیا کہ بروز قیامت بتوں کے پجاریوں سے خود بت بیزار ہو جائیں گے۔ ﴿ملاحظہ ہو۔ سورة الاحقاف۔ ۶﴾

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کیا کہنا جو پروردگار قیامت کے دن ہاتھوں کو گویائی عطا فرمائے گا ﴿سورة یس آیت نمبر 65﴾ وہی خلاق عالم عزوجل بتوں کو بولنے کی قوت دے گا اور وہ اپنے پجاریوں کے خلاف ہو جائیں گے۔

حضور پر نور ﷺ نے دعوتِ توحید کا آغاز کیا، ایک خدا واحد لاشریک کی عبادت اور دینِ متین کی دعوت دی اور حکیمانہ انداز اور پر نور کلام کے ذریعے لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتایا کہ بتوں کو حاجت روا، مشکل کشا جاننے والو! یہ بت حاجت روا نہیں۔ مشکل کشا نہیں ہو سکتے۔۔۔ یہ تو پکار سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔ یہ بت تمہارے ہاتھ سے تراشے ہوئے ہیں۔ یہ تمام بت ملکر کبھی نہیں بنا سکتے۔ کسی قسم کا نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں چنانچہ اس سچی دعوت کے نتیجے میں حضور ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ طائف کے میدان میں آپ علیہ السلام لہو لہان ہو گئے لیکن توحید کے پرچم کو بلند کرنے کا مشن جاری رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”میں دین کی راہ میں سب سے زیادہ ستایا گیا ہوں۔“

”تکالیف برداشت فرما رہے ہیں۔۔۔ اذیتیں سہہ رہے ہیں۔۔۔ لیکن اعلاء کلمۃ الحق فرما رہے ہیں۔ توحید کی دعوت پر صبر و استقامت، لگن و تڑپ، محنت و کوشش کی اعلیٰ ترین مثال قائم فرمادی۔ جہدِ مسلسل کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔۔۔ توحید کی دعوت عام ہو رہی ہے۔۔۔ لوگ بتوں سے متنفر ہوتے ہوئے باطل عقائد سے تاب ہو رہے ہیں چنانچہ توحید کی دعوت پھیلتا دیکھ کر مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے کبھی ساحر کبھی جادوگر اور کبھی کاہن کہتے تھے ﴿معاذ اللہ﴾ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنا مشن جاری

وساری رکھا اسی اثناء میں یاد امت میں آنسو بہانے والے مصطفیٰ کریم ﷺ اپنی امت کو خوشخبری سناتے اور دعوتِ توحید کے فیضان کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي

﴿بخاری شریف، جلد 2، صفحہ 975، کتاب الرقاق حدیث نمبر ۶۱۰۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: ”خدا کی قسم! مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔“

اے امتِ مصطفیٰ ﷺ! تمہیں مبارک ہو!! تم شرک سے محفوظ ہو۔ گزشتہ امتیں نبیوں کے پردہ فرمانے کے بعد شرک میں مبتلا ہو گئیں اور اپنے نبیوں کے راستے سے ہٹ گئیں مگر امتِ محمدیہ ﷺ کو اعزاز حاصل ہے کہ وہ شرک سے محفوظ رہے گی۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجْرًا وَلَا وَثَنًا وَلَكِنْ يُرَآءُ وَنَ بَاعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ

﴿مسند احمد، رقم حدیث: ۱۶۴۹۸ مسند الشامیین﴾

یعنی: ”بے شک میری امت سورج، چاند، پتھر اور بت کی پوجا نہیں کرے گی لیکن اپنے اعمال میں دکھلاوا کرے گی اور پوشیدہ شہوت میں مبتلا ہوگی“

مزید حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا ﴿بخاری شریف﴾

ترجمہ: ”مجھے ڈر ہے تو تمہارے دنیا میں چھسنے کا ڈر ہے“

حضور پر نور ﷺ کے امتی کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے نبی مکرم ﷺ کے فرمان پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس حقیقت کا اقرار کرے کہ آج مسلمان دنیا کی محبت میں گرفتار اور ریاکاری میں مبتلا ضرور نظر آتے ہیں لیکن شرک سے محفوظ ہیں نہ تو کوئی دُعاؤں کا ماننے والا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ جیسی صفات کسی شخصیت میں تسلیم کرتا ہے۔

تحفظِ ایمان:

حضور ﷺ کے فرامین حق ہیں۔ بات صرف یہی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے، لیکن ذہنوں سے یہ مجنونہ وہ کہ جب شیطان کے وسوسوں کا طوفان جاری ہوتا ہے تو انسان حقیقت سے نظر پھیر لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا وہ پیارا محبوب ﷺ عطا فرمایا جو اپنی امت کو اس طور پر گمراہی سے بچانا چاہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے اور وساوسِ شیطانی اثر انداز نہ ہوں اسی لئے حضور ﷺ نے اس گروہ کو (جس نے صحابہ علیہم الرضوان کو مشرک کہا) شرار الخلق قرار دیا۔ ﴿سنن ابن ماجہ﴾

حضور ﷺ کے فرمانِ عالیشان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں سب سے بدترین مخلوق قرار دیا۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ انکی ایسی علامت کو ذکر فرمایا جسکی برکت سے اہل ایمان بڑی آسانی سے انکو پہچان لیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

إِنَّهُمْ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتِ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

﴿بخاری شریف۔ کتاب استنباطہ المعانی۔ جلد 2، ص 1024﴾

ترجمہ: ”یہ گروہ (خوارج)۔۔۔ کفار (مشرکین اور بتوں کی مذمت) کے بارے میں نازل ہونے والی آیات مؤمنین (انبیاء اور صالحین) پر چسپاں کرتا ہے“

یعنی جو آیات بتوں کی مذمت میں نازل ہوئیں مثلاً بت حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہو سکتے وغیرہ۔ ان آیات کو BASE (بنیاد) بنا کر انبیاء و صالحین کو معاذ اللہ بے بس اور مجبور ثابت کرنے کی کوشش کریں گے گویا کہ یہ گروہ مِنْ دُونِ اللہ اور اولیاء اللہ کے فرق کو ختم کرنے کی جسارت کرے گا۔۔۔ لیکن بتوں اور صالحین میں کیا نسبت ہو سکتی ہے کیونکہ بتوں کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہیں دیا وہ مونس ہیں نہ ہی مددگار اور اللہ تعالیٰ نے صالحین کو بہت کچھ عطا کیا ہے چنانچہ مَنْ دُونِ اللہ کو ماننے والا مشرک ہے اولیاء کو ماننے والا مومن ہے۔

☆ **مَنْ دُونِ اللہ سے تعلق بروز قیامت خدامت کا سبب** ہوگا إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللہِ حَصَبُ

جَهَنَّمَ ﴿سورة الانبیاء، ۹۸ پ ۱۷﴾ اور **اولیاء اللہ سے تعلق بروز قیامت خوش بختی کا ذریعہ** ہوگا۔

الْآخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿سورة الزخرف، آیت ۶۷، پ ۲۵﴾

☆ **مَنْ دُونِ اللہ کے ساتھ دشمنی کرنے والے کا ایمان مضبوط ہوتا ہے** وَمَنْ يَكْفُرْ بِطَاغُوتٍ وَيُؤْمِنُ بِاللہِ فَقَدْ

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴿البقرة، ۲۵۶﴾ **اولیاء اللہ کے ساتھ دشمنی سلب ایمان کا سبب** ہوتا ہے۔ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ اِذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ ﴿بخاری شریف﴾

ضروری تنبیہ:

ولی نعمت، محسن امت حضرت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَجَاءَ عَنِ الْمَشَائِخِ الْعَارِفِينَ وَالْإِئِمَّةِ الْوَارِثِينَ إِنَّهُمْ قَالُوا أَوَّلُ عُقُوبَةِ الْمُنْكَرِ عَلَى الصَّالِحِينَ أَنْ يَحْرَمَ

بَرَكَتَهُمْ قَالُوا وَيُخْشَى عَلَيْهِ سُوءُ الْخَاتِمَةِ نَعُوذُ بِاللہِ مِنْ سُوءِ الْخَاتِمَةِ ﴿رسائل ابن عابدین ص ۳۱۷ ج ۲﴾

ترجمہ: ”مشائخ عارفین اور ائمہ و وارثان نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اولیاء کرام کے منکر کی پہلی سزا یہ ہے کہ ان کی برکت سے محروم کیا جاتا

ہے، یہ بھی فرمایا: اس بات کا خوف ہے کہ اس کا خاتمہ برا ہوا۔ ہم برے خاتمہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں“

آخری مثال: ﴿حق اور سچ کے ذریعے باطل کا پرچار﴾

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

إِذَا سَأَلْتُ فَسْأَلِ اللَّهَ

”ترجمہ:“جب سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو“

حضور پر نور ﷺ کا ارشاد (جب سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو) مطلق ہے یعنی کسی شق کو خاص نہیں کیا گیا کہ زندہ سے سوال کرلو، مردہ سے نہ کرو۔ قریب والے سے تھوڑا بہت مانگ لو، دور والے سے مت مانگو، اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ مطلقاً ارشاد ہے کہ ”جب سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو“

اس حدیث پاک کے پیش نظر حضور ﷺ یا صالحین کو وسیلہ سمجھتے ہوئے سوال کرنے کی ممانعت ثابت کرنا درست نہیں۔
ڈاکٹر سید محمد بن علوی المالکی الحسنى نقل کرتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَا مُمْتَسِكُ فِيهِ وَلَا دَلِيلٌ لِّمَنْعِ السُّؤَالِ أَوْ التَّوَسُّلِ

یعنی: ”اس ارشاد کے پیش نظر غیر سے سوال کرنے اور توسل سے روکنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے“

اگر اس حدیث پاک سے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ حضور ﷺ یا صالحین سے سوال نہیں کرنا چاہئے۔ اس صورت میں صحابہ علیہم الرضوان اور بزرگان دین کا عمل اس کے خلاف ظاہر ہوگا ﴿جس کی تفصیل گزر چکی ہے﴾ اور یقیناً یہ حضرات قدسیہ شریعت کے اصولوں کی حکم عدولی نہیں کرتے چنانچہ اس حدیث کا اصل مقصد جاننا اشد ضروری ہے۔ اس حدیث پاک سے مطلق ممانعت ثابت کی جائے تو لازم آئے گا کہ ”بے علم کا، عالم سے سوال کرنا بھی جائز ہوگا۔“

ڈاکٹر سید محمد بن علوی المالکی الحسنى مزید لکھتے ہیں:

وَلَا وَاقِعٌ فِي مَهْلَكَةٍ غَوْنًا، مِمَّنْ تَتَوَقَّفُ نَجَاتُهُ عَلَى إِعَاثَتِهِ، وَلَا دَائِنٌ مُدِينًا قَضَاءَ مَا عَلَيْهِ وَلَا مُسْتَقْرِضٌ قَرْضًا، وَلَمَّا صَحَّ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَسْأَلُوا النَّبِيَّ الشَّفَاعَةَ وَلَا صَلَحَ لِنَبِيِّ اللَّهِ عِيسَى أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِسُؤَالِهَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَإِنَّ الدَّلِيلَ عَلَى هَذَا الْوَهْمِ الَّذِي تَوَهَّمُوهُ عَامٌّ، يَشْمُلُ عَدَمَ صِحَّةِ مَا ذَكَرْنَاهُ وَلَمْ نَذْكُرْهُ ﴿مفاهيم يجب ان تصحح، صفحہ 186﴾

”ترجمہ:“اسی طرح کسی مصیبت زدہ کا مدد طلب کرنا صحیح نہ ہوگا نہ کسی قرض خواہ کیلئے مال کی واپسی کو طلب کرنا درست ہوگا نہ کسی محتاج کا کسی مالدار سے قرض کا سوال کرنا صحیح ہوگا نہ یہ صحیح ہوگا کہ میدان قیامت میں لوگ انبیاء کی شفاعت کے طلب گار بنیں اور نہ یہ صحیح ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو طلب شفاعت کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار امور ہیں جو اس وہم کے

تحت آجائیں گے جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا“

مقصود حدیث:

حدیث پاک کے اصل مقصود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے السید علوی مالکی تحریر کرتے ہیں:

اَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْحَدِيثِ..... لَيْسَ مَا تَوَهَّمُوهُ فَإِنَّهُ فَاسِدٌ وَاضِحُ الْفَسَادِ كَمَا تَبَيَّنَ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ مِنْهُ التَّرْهِيْبُ مِنْ سُؤَالِ النَّاسِ أَمْوَالِهِمْ بِلَا حَاجَةٍ طَمَعًا فِيْهَا وَالْقَنَاعَةُ بِمَا يَسَّرَ اللَّهُ وَلَوْ كَانَ قَلِيْلًا، وَالتَّعَفُّفُ عَمَّا لَا تَدْعُو إِلَيْهِ الْحَاجَةُ مِمَّا بَايَدِي النَّاسِ وَأَنْ يَسْتَغْنِي بِسُؤَالِ اللَّهِ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ الْمُلْحِينَ فِي الدُّعَاءِ وَالنَّاسُ عَلَى الْعَكْسِ.

ترجمہ: ”اس حدیث کا مقصود تو اس بات سے ڈرانا ہے کہ بلا ضرورت لوگوں سے لالچ کر کے ان کے مال کا سوال نہ کرنا چاہئے اور قناعت کی تعلیم ہے اور بلا ضرورت مانگنے اور سوال کرنے سے بچنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر مانگنے والے کو بہت پسند فرماتا ہے اور لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے“

اللَّهُ يُغْضِبُ إِنْ تَرَكْتَ سَوَالَهُ

وَبَنِي آدَمَ حِينَ يَسْأَلُ يُغْضِبُ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے اور لوگ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں“

خلاصہء کلام:

فَالْمَعْنَى أَنَّكَ إِذَا رَأَيْتَ فِي يَدِ أَحَدٍ مِنَ الْمَالِ مَا أَعْجَبَكَ وَطَمَعْتَ إِلَيْهِ نَفْسُكَ فَلَا تَسْأَلْهُ مَا فِي يَدِهِ وَاسْتَغْنِ بِسُؤَالِ اللَّهِ مِنْ فَضْلِهِ عَنْ سُؤَالِ عَبْدِهِ، فَالْحَدِيثُ إِرْشَادٌ إِلَى الْقَنَاعَةِ، وَالتَّنَزُّهِ عَنِ الطَّمَعِ، وَابْتِنَاءٌ مِنْ سُؤَالِ اللَّهِ بِأَنْبِيَائِهِ وَأَوْلِيَائِهِ أَوْ سُؤَالِ أَنْبِيَائِهِ الشَّفَاعَةِ لِلْسَّائِلِينَ فِيمَا جَعَلَ اللَّهُ شَفَاعَتَهُمْ فِيهِ الَّذِي هُوَ مِنْ أَقْوَى الْأَسْبَابِ فِي النَّجَاحِ، وَلَكِنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا رَكِبَ الْهَوَى شَطَطَ بِهِ فِي مَجَالِ الْأَوْهَامِ وَخَرَجَ بِهِ عَنْ جَادَةِ الْإِفْهَامِ

ترجمہ: ”خلاصہء کلام یہ ہوا کہ اگر کسی کا مال تم کو پسند آجائے اور دل اس کی طرف لپجانے لگے تو اس سے اس کا سوال مت کرو بلکہ وہی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ حدیث پاک میں قناعت کی تعلیم ہے اور لالچ سے بچنے کا حکم ہے۔ اس کا انبیاء و اولیاء کے توسل سے کیا تعلق ہے۔ انبیاء و اولیاء سے شفاعت کا سوال تو نجات کا قوی ترین سبب ہے لیکن انسان جب خواہشات کے گھوڑے پر سوار ہو جائے تو وہ سواری اس کو تو وہم و گمان کے میدان ہی میں لئے پھرے گی اور عقل مند لوگوں کے راستہ سے وہ ہٹ جاتا ہے۔“

اے کاش! اس حدیث پاک کی برکت سے ہم غیروں کے مال پر نظر رکھنے کی بجائے مولا ﷺ کے در کے سوالی بن جائیں۔ جو بلا

ضرورت دنیا داروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے محتاجی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

اس فرمانِ پاک کا اصل مدعا مقصد ہم جان چکے۔ مزید چند دلائل کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ فرمانِ نبوی ﷺ کا اصل مقصود طمع و لالچ اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہنا ہے نہ کہ انبیاء و صالحین سے مدد مانگنے یا سوال کرنے کی ممانعت ہے۔

فیضانِ ختمِ قادریہ

الحمد للہ عز و جل ختمِ قادریہ میں ہونے والے درسِ قرآن کی برکت سے ہم نے اچھی طرح جان لیا کہ قرآنِ پاک یا احادیثِ طیبہ پر سطحی نظر کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچنا مناسب نہیں جب تک آیات کا شانِ نزول اور احادیثِ مبارکہ کے اصل مقصود کو نہ سمجھ لیا جائے اور اسی طرح کسی بھی مضمون کی تمام آیات و احادیث کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ بعض پر ایمان اور بعض کا انکار دائمی ندامت کا سبب اور عذاب کا باعث ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

أَفْتَوْمُنُونَ بِنِعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۖ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ﴿البقرة: ۸۵﴾

ترجمہ: کنز الایمان: ”تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔۔۔ تو جو تم میں سے ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے؟ مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے“

دلیل نمبر 1: جنت کے سوالی

وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوءِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ .

﴿مسلم، کتاب الصلوٰۃ رقم: ۵۴۔ نسائی کتاب التطبيق، رقم: ۱۱۲۶۔ سنن ابی داؤد، رقم: ۱۱۲۵۔ مشکوٰۃ، صفحہ 84﴾

ترجمہ: ”حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک رات گزاری پس میں آپ کے وضو کیلئے پانی اور دیگر ضروریات کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ سوال کر یعنی مانگ! میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے سوا اور بھی کچھ مانگ۔ میں نے عرض کیا بس یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کثرتِ سجد سے میری اعانت کرو۔“

اس حدیثِ پاک کی تشریح میں محدثِ مدینہ منورہ شیخ محقق (جن کا تعارف گزر چکا) اشعة اللمعات میں

تحریر فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

حضور ﷺ نے مطلقاً فرمایا مانگو اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے چاہیں، جو چاہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔

محدث اعظم مكة المكرمة علی قاری علیہ الرحمۃ مرفقات میں اسی مقام پر علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ کی عبارت تحریر کرتے ہیں:

وَيُؤْخَذُ مِنْ إِطْلَاقِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَمْرُ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللَّهَ مَكْنَهُ مِنْ إِعْطَاءٍ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ

ترجمہ: ”نبی علیہ السلام نے ”سوال کرنے“ کے امر کو جو مطلق رکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزائن حق سے ہر چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا جس کا آپ ارادہ فرمائیں“

اس کے بعد علامہ ابن سبع علیہ الرحمۃ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَقْطَعَهُ أَرْضَ الْجَنَّةِ يُعْطَى مِنْهَا مَا يَشَاءُ لِمَنْ شَاءَ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت کی زمین عطا فرمائی ہے کہ اس زمین میں جس کے لئے چاہیں، جتنی مقدار چاہیں، عطا فرمائیں۔“

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو ”سَلُّ“ مانگو کیا مانگتے ہو؟ فرما کر آپ ﷺ نے اپنی ذات سے حاجت روائی کا جواز ہی بیان نہیں کیا بلکہ امر (حکم) فرمایا ہے۔ دیکھئے علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ سَلُّ کی تفسیر کرتے ہیں **أُطْلِبُ مِنْنِي حَاجَةً** یعنی ”مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔۔۔۔۔ اور سوال کو مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھا دیا کہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت روائی کرو۔ اسی مطلب پر پہنچ کر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ سے جنت کا سوال کیا حالانکہ جنت کا دینا عادیہ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ اگر یہ شرک تھا تو چاہئے تھا کہ حضور ﷺ اس سوال سے روک دیتے کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک کے قلع قمع کیلئے ہوئی تھی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا **أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ** اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا ہو تو مانگو۔ حضور ﷺ نے بار بار مانگنے اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ ﴿توضیح البیان- ص 77﴾

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اذن الہی سے جو چاہیں، جسے چاہیں عطا فرمادیں خواہ یہ عطا امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ۔

دلیل نمبر 2 :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی پاک ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول

اللہ! ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہمارے پاس نہ کوئی اونٹ باقی رہا ہے جو بلبلا رہا ہو اور نہ ہی کوئی سانس لینے والا بچہ موجود ہے۔ اس طرح عرض گزار ہونے کے بعد چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا

وَأَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرَّسُلِ

ترجمہ: ”ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دوڑ کر آپ کی بارگاہ میں آجائیں اور لوگ رسولوں کے علاوہ کس کے پاس

جائیں یعنی آپ کے سوا ہمارا کوئی ملجا و ماوا نہیں۔“ ﴿مفہم۔ 176﴾

خط کشیدہ الفاظ سے یہ مفہوم واضح ہے کہ سرکارِ مدینہ ﷺ سے گویا اس طرح عرض گزار ہیں۔

سب کا کوئی نہ کوئی دنیا میں آسرا ہے

میرا بجز تمہارے کوئی نہیں سہارا

سرکارِ مدینہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے سوال نہ کرو بلکہ حدیثِ پاک میں ہے:

فَقَامَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى صَعِدَ الْمَنْبَرَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا مَّرِيْعًا غَدَقًا طَبَقًا نَافِعًا غَيْرَ

ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ رَائِيٍّ تَمَلُّا بِهِ الضَّرْعُ وَتَنْبُثُ بِهِ الزَّرْعُ وَتَحْيِي بِهِ الْاَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا

ترجمہ: ”حضور ﷺ اپنی چادر مبارک سنبھالتے ہوئے اُٹھے اور منبر شریف پر تشریف لا کر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے عرض کیا: اے

اللہ! ہم پر ایسی بارش فرما جو فریادِ رسی کرنے والی ہو، خوشگوار اور سبزہ کرنے والی ہو۔ نفع پہنچانے والی ہو نہ کہ نقصان پہنچانے والی۔ جلدی برسنے والی نہ کہ تاخیر سے برسنے والی۔ جس سے جانوروں کے تھن بھر جائیں اور کھیتی خوب ہو اور زمین اپنے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے۔“

قَالَ فَمَا رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ حَتَّى اَلْقَتِ السَّمَاءُ بَارِدًا فِيهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان اپنی اطراف کے ساتھ برسا۔

﴿دلائل النبوة للبيهقي 141/6﴾

سبحان اللہ! اس حدیثِ پاک پر غور فرمائیں صحابی رسول ﷺ نے براہِ راست حضور ﷺ سے مدد طلب کی اور حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمادی۔ اس عمل سے یہ بات انتہائی واضح ہے کہ انبیاء و صالحین سے براہِ راست مدد طلب کرنے یا سوال کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں کیونکہ مومن اس بات کو جانتا ہے کہ بے عطاء پروردگار انبیاء و صالحین بے کس و بے بس کا سہارا ہیں۔ حدیثِ قدسی محبوبین کی شان اس طرح بیان کر رہی ہے کہ **وَلَسِنُ سَأَلْنِي لِأَعْطِيَنَّهُ** ﴿بخاری شریف﴾ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور دوں گا۔

دلیل نمبر 3:

قرآن پاک میں ارشاد ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿سورة آل عمران، آیت 52﴾ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ

ترجمہ: ”کون میرا مددگار ہے اللہ تعالیٰ کی طرف“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوب جانتے ہیں کہ مجھے مدد صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرنی چاہئے اور اسی سے سوال کرنا چاہئے لیکن اس کے باوجود حواریوں سے سوال کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ ہر قسم کا سوال برا نہیں۔۔۔۔۔ سوال وہی برا ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا۔ (یعنی اپنی ذات کی خاطر طمع اور لالچ کے پیش نظر سوال کرنا)۔

دلیل نمبر 4:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے مدد طلب کی آپ نے مدد کرنے سے منع نہ فرمایا بلکہ اس کی مدد فرمائی۔ سورة القصص آیت 15 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ .

ترجمہ: ”اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تھا، تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں سے تھا“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدد مانگنے والے شخص کے سوال کو پورا کر دیا اور اس کی مدد فرمائی اگر مطلقاً سوال کرنے کی ممانعت ہوتی تو آپ علیہ السلام اس شخص کی التجاء کو رد فرما دیتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر اس مفہوم کو کون بہتر جان سکتا ہے کہ سوال تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرنا چاہئے۔

دلیل نمبر 5: صالحین سے سوال

عَنْ عُثْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بَارِضٌ لَّيْسَ بِهَا أَيْسُّ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ . ﴿رواہ طبرانی﴾

ترجمہ: ”حضرت عتبہ بن غزوآن سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ مدد حاصل کرنا چاہتا ہو اور ایسی جگہ میں ہو جہاں کوئی اس کا مانوس و غمخوار نہ تو اسے چاہئے کہ وہ کہے: يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ پس بے شک، اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نظر نہیں آتے (وہ سوال پورا کرتے ہیں) یہ عمل مجرب یعنی آزمودہ ہے“

امام شمس الدین محمد بن جوزی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب **الحصن الحصین** ص 22 پر یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

إِذَا أُنْسَلَتْ دَابَّتُهُ فَلْيُنَادِ أَعِينُونَا يَا عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ ﴿مسند ابی اعوانہ، مصنف ابن ابی شیبہ﴾ وَإِنْ أَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا

عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي وَقَدْ جُرِبَ ذَلِكَ ﴿المعجم الكبير، طبرانی﴾

ترجمہ: ”جب کسی کی سواری گم ہو جائے تو چاہئے کہ وہ یوں پکارے **اَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ** (اے اللہ کے بندو! میری

مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) ﴿مسند ابی اعوانہ، مصنف ابن ابی شیبہ﴾ اور کوئی شخص مدد کا طلبگار ہو تو اسے چاہئے کہ وہ کہے اے اللہ کے

بندو! میری مدد کرو (تین بار) اور یہ عمل مجرب (آزمودہ) ہے۔ ﴿معجم کبیر۔ طبرانی﴾

نوٹ: اسی مفہوم کی مزید حدیثیں کتب احادیث میں مذکور ہیں لیکن طوالت سے بچنے کیلئے ذکر نہیں کی جا رہی ہیں۔

یاد رہے کہ **حصن حصین** دعاؤں کا وہ مجموعہ ہے جو علامہ محمد بن محمد جوزی علیہ الرحمۃ نے احادیث صحیحہ سے منتخب کیا

ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَأَخْرَجْتُهُ مِنَ الْإِحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ

ترجمہ: ”اور میں نے اسے احادیث صحیحہ سے منتخب کیا“

حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

فَلْيَتَذَبَّرْ مَنْ يَقُولُ : إِنَّ الْإِسْتِعَانَةَ بِعِبَادِ اللَّهِ تَعَالَى شُرْكٌ، هَلْ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ وَائِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَرِيقٍ هُوَ

شُرْكٌ ؟ مَعَاذَ اللَّهِ ! أَنْ يَقُولَ بِهِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿من عقائد اہل السنة ص 198﴾

ترجمہ: ”جو لوگ اللہ کے بندوں سے مدد مانگنے (سوال کرنے) کو شرک قرار دیتے ہیں ان کے مذہب کے مطابق لازم آئے گا کہ

معاذ اللہ! حضور اکرم ﷺ نے شرک کی تعلیم دی ہو اور ائمہ دین شرک کی تعلیم دیتے رہے ہوں۔“

ایسا ہرگز نہیں! اگر سوال کرنا اور مدد مانگنا درست نہ ہوتا تو حضور ﷺ کبھی امت کو تعلیم ارشاد نہ فرماتے اور سوال کرنے کی ترغیب نہ

دیتے۔

